WWW.PAKSOCIETY.COM
ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
جولائی ۲۰۱۵ء
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

اشاعت کا ۶۳ واں سال

یادگار : شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید
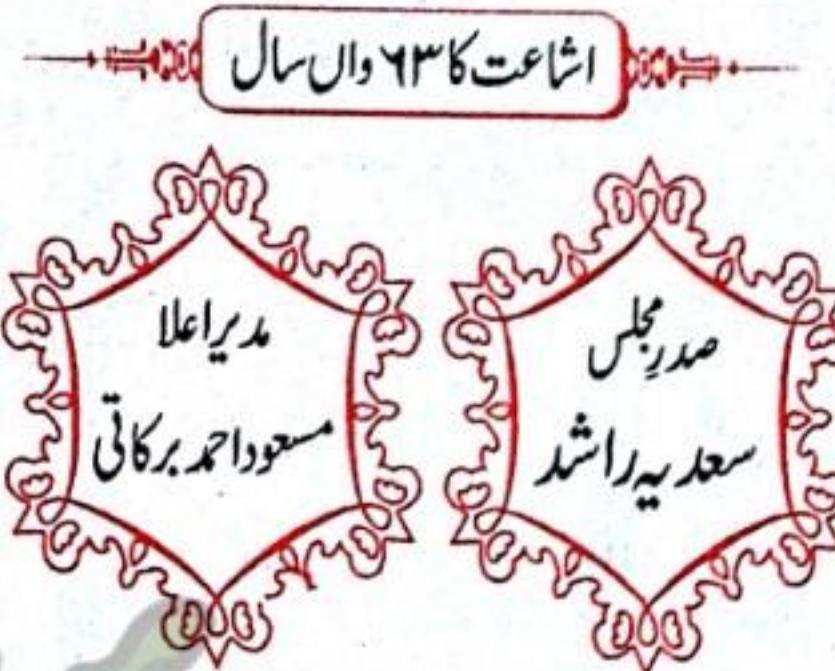
ماہ نامہ ہمدرد نونہال

صدرِ مجلس
سعدیہ راشد

مدیرِ اعلا
مسعود احمد برکاتی

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شمارہ ۷ | جلد ۶۳

جولائی ۲۰۱۵ عیسوی | رمضان المبارک / شوال المکرم ۱۴۳۶ ہجری

ٹیلے فون — 36620945 سے 36620949
36616001 سے 36616004
ایکسٹینشن — (054 یا 052 یا 066)
فیکس نمبر — (92-021) 36611755
ای میل — hfp@hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان — www.hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) — www.hamdardlabswaqf.org
ویب سائٹ ادارۂ سعید — www.hakimsaid.info
فیس بک پیج — www.facebook.com/Hamdardfoundationpakistan

دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

قیمت عام شمارہ
۳۵ رُپے

سالانہ (عام ڈاک سے)
۳۸۰ رُپے

سالانہ (رجسٹری سے)
۵۰۰ رُپے

سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر)
۳۴۰ رُپے

سالانہ (غیر ممالک سے)
۵۰- امریکی ڈالر

''ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آیندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابلِ قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔''

قرآنی آیات اور احادیثِ نبویؐ کا احترام ہم سب پر فرض ہے

سعدیہ راشد پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

سرورق کی تصویر | صباحت فاطمہ، کراچی

ISSN 02 59-3734

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

نونہالوں کے دوست اور ہمدرد
شہید حکیم محمد سعید کی یاد رہنے والی باتیں

عید الفطر خوشیوں کا پیغام لاتی ہے۔ خاص طور پر روزے داروں کے لیے یہ زیادہ مسرت کا دن ہوتا ہے کہ انھوں نے رمضان المبارک کے مہینے میں اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق زندگی گزاری۔ اس مقدس مہینے میں احکامِ الٰہی کی خاص پابندی کے علاوہ اللہ کے بندے آپس میں زیادہ قریب ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی ہمدردی اور تعاون میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

ایک دوسرے کے کام آنا ہمدردی ہے، لیکن ہمدردی کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بے غرض اور بے لوث ہو۔ اگر ایک شخص دوسرے سے اس لیے ہمدردی کرے کہ آئندہ اس سے اچھا بدلہ ملنے کی اُمید ہو یا دوسرا اس ہمدردی کے جواب میں احسان مند اور شکر گزار ہوگا یا اس ہمدردی سے لوگ اس کی تعریف کریں گے تو یہ سچی ہمدردی نہیں ہوئی، کیوں کہ اس میں غرض شامل ہوگئی۔ اسلام ایسی ہمدردی نہیں چاہتا۔ اسلامی ہمدردی یہ ہے کہ انسان صرف اللہ کو خوش کرنے اور اس کے بندوں کو خوشی اور آسانی پہنچانے کے لیے کسی کے کام آئے۔

ایسی ہمدردی میں خود ہمدردی کرنے والا بھی خوش ہوتا ہے اور اس کو روحانی لذت حاصل ہوتی ہے۔ ایسی ہمدردی کا بدلہ اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں آتا ہے کہ ایمان کی علامت یہ ہے کہ جب کوئی شخص نیکی کرے تو اس کو خوشی اور سکون حاصل ہو۔ ہمدردی بھی ایک نیکی ہے۔ ہمیں بے غرض ہمدردی کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اس طرح ہمارے دوست اور ساتھی بھی خوش ہوں گے اور ماحول میں خوشیاں بکھر جائیں گی۔ (ہمدرد نونہال مارچ ۱۹۹۵ء سے لیا گیا)

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

ہمدرد نونہال جولائی ۲۰۱۵ء کا شمارہ آپ تمام پڑھنے والے بچوں، بڑوں، بزرگوں کو پیش کرنے کی مسرت حاصل کر رہا ہوں۔ یقین ہے کہ آپ سب یہ شمارہ پڑھ کر بھی میری حوصلہ افزائی کریں گے۔

خاص نمبر پسند کیا گیا اور نہ صرف میری، بلکہ اس کو بنانے، سنوارنے والے سب ساتھیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ خدا کرے ہمدرد نونہال اسی طرح علم، ادب، اردو زبان اور وطن کی خدمت کرتا رہے اور اس رسالے کو محبت کرنے والے، محبت بانٹنے والے ملتے رہیں۔

آج پہلا روزہ ہے۔ یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گا تو عید کا انتظار شروع ہو رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ رمضان کی برکتوں کی طرح آپ کو عید کی خوشیاں بھی مبارک کرے۔

چند باتیں قارئین سے:

ہمدرد نونہال میں اپنا نام چھپوانے کے شوقین دوستو! پہلے خوب محنت کرلو۔ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ انعامی کوپن کو کاپی سائز کے کاغذ پر چپکائیں اور نام پتا بھی کاغذ پر صاف صاف لکھیں۔ انعامی کہانی کا کوپن اور معلومات افزا کا کوپن ایک صفحے پر نہیں، بلکہ الگ الگ صفحوں پر چپکائیں۔ بہت شکریہ۔

رسولِ پاک ﷺ کا اخلاق

امان اللہ نیر شوکت

رسولؐ خدا ، سرورِ انبیاؑ
کسی کام سے جا رہے تھے کہیں
سرِ راہ تھی ایک بڑھیا کھڑی
بے چاری کا کوئی سہارا نہ تھا
رسولؐ خدا نے جو دیکھا اسے
کیا پہلے شفیع الوراؐ نے سلام
بڑی اماں! یاں کس لیے ہو کھڑی
کہا اس نے میرے نبیؐ ، میری جاں
بہت لوگ گزرے ہیں اس راہ سے
مرا بوجھ کوئی اُٹھاتا نہیں
کہا میرے پیارے نبیؐ نے اسے
جو کم زور و بے کس ہیں ، لاچار ہیں
نہیں بوجھ جن کا اُٹھاتا کوئی
یہ کہہ کر مرے مصطفیٰؐ چل پڑے
اُسے اُس کی منزل پہ پہنچا دیا

میں کرتا ہوں ذکر اُن کے اخلاق کا
وہ خُلقِ مُجسّمؐ ہمیں ہے یقیں
تھی پاس اُس کے گٹھڑی بھی سامان کی
اُسے بوجھ اُٹھانے کا یارا نہ تھا
تو وہ اس کے پاس آئے اور رُک گئے
ادب سے ہوئے آپؐ پھر ہم کلام
نظر آ رہی ہو پریشان سی
بڑی دیر سے میں کھڑی ہوں یہاں
پکارا سبھی کو مدد کے لیے
مدد کے لیے کوئی آتا نہیں
میں حاضر ہوں تیری مدد کے لیے
جو مظلوم و محتاج و نادار ہیں
نہیں جن کو خاطر میں لاتا کوئی
اُس عورت کی گٹھڑی اُٹھائے ہوئے
ہوئے آپؐ واپس چلے گھر کی راہ

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی غرور ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

مرسلہ : سیدہ مبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادن خان

حضرت علی کرم اللہ وجہ

ہر شخص کی قیمت وہ ہنر ہے، جو اس کے ہاتھ میں ہے۔ مرسلہ : زینب ناصر، فیصل آباد

حضرت امام غزالیؒ

میں علم کے اس درجے تک اس طرح پہنچا کہ جو کچھ مجھے معلوم نہ تھا، میں نے اسے معلوم کرنے میں شرم محسوس نہیں کی۔ مرسلہ : محمد مزمل، خانیوال

شیخ سعدیؒ

دو دفعہ پوچھنا ایک بار غلطی کرنے سے بہتر ہے۔

مرسلہ: راحیل قمر خانزادہ، ٹنڈو الہیار

قائداعظم محمد علی جناح

اگر ہم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں تو یقین ہے کہ ہم کام یاب ہوں گے۔

مرسلہ : اقصیٰ انصاری، سانگھڑ

خوش حال خان خٹک

بیماری سے مرجاؤ، لیکن احسان کی دوا مت کھاؤ۔

مرسلہ : اریبہ بتول، لیاری ٹاؤن

شہید حکیم محمد سعید

وقت کی ناقدری سے غلامی کی زنجیریں پیروں میں پڑ جاتی ہیں۔ مرسلہ : میلاد فاطمہ انصاری، لاہور

ہٹلر

کام یابی کے دو اہم زینے، لگن اور خود اعتمادی ہیں۔ مرسلہ : عائشہ محمد خالد قریشی، سکھر

ماؤزے تنگ

کسی کا بُرا چاہنے والا کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔

مرسلہ : محمد طلحہ مغل ڈگری، ڈگری

آسکر وائلڈ

غریب آدمی امیر کا اتنا محتاج نہیں، جتنا امیر آدمی غریب کا، کیوں کہ امیر کا کوئی کام غریب کے بغیر نہیں چل سکتا۔

مرسلہ : کرن فدا حسین کیریو، فوجی کالونی

ہماری عید

ڈاکٹر سید فرحت حسین

رمضان کا مہینا ختم ہونے کے بعد عید آتی ہے۔ عید ہم مسلمانوں کا تہوار ہے۔ دنیا کی ہر قوم میں، سال بھر میں دو تین دن ایسے ہوتے ہیں جب اس قوم کے لوگ خوب صورت کپڑے پہن کر اور بن سنور کر گھروں سے باہر نکلتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر خوشیاں مناتے ہیں۔ ہمارے لیے اسلام نے سال بھر میں دو دن خوشی منانے کے مقرر کیے ہیں جنھیں ''عیدین'' کہتے ہیں، یعنی دو عیدیں: ایک عید الفطر، دوسری عید الاضحیٰ۔ جس سال مسلمانوں کے لیے رمضان کے روزے فرض ہوئے اسی سال رمضان میں غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا، جس میں اللہ تعالیٰ نے حق کو باطل پر فتح نصیب فرمائی۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر میں شان دار فتح کے بعد جب واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس کے آٹھ دن بعد رمضان ختم ہونے پر آپؐ نے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ شہر کے باہر اللہ تعالیٰ کے شکرانے کے طور پر دو رکعت نماز ادا فرمائی، جسے عید کہا گیا۔ یہ مسلمانوں کی سب سے پہلی عید تھی۔

عید ہم مسلمانوں کے لیے خوشی کا دن ہے۔ انسان کی زندگی میں خوشی کے اور بھی کئی موقعے آتے ہیں۔ تم جب امتحان میں کام یاب ہوتے ہو تو تمھارے ساتھ گھر والوں کو بھی خوشی ہوتی ہے، مٹھائی تقسیم ہوتی ہے، رشتے دار اور جان پہچان والے آکر مبارک باد دیتے ہیں اور تحفے بھی دیتے ہیں۔ اسی طرح کھیلوں اور مقابلوں میں کام یابی کی خوشی جیتنے والے کے علاقے یا ملک کے لوگوں کو بھی ہوتی ہے، لیکن عید کی خوشی ایسی ہے کہ اس کی نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی سرحد۔ دنیا کے جس حصے میں بھی مسلمان رہتے ہیں سب عید مناتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ امیر ہو یا غریب، بچہ ہو یا بوڑھا، عورت ہو یا مرد، عید سب کے لیے خوشی کا پیغام لاتی ہے۔

خوشی دو طرح کی ہوتی ہے: ایک خوشی وہ ہے جو صرف ایک آدمی کو ہوتی ہے۔ اسے ہم

انفرادی یا ذاتی خوشی کہتے ہیں۔ دوسری خوشی وہ ہوتی ہے جو بہت سے لوگوں کو ہوتی ہے۔ اسے ہم اجتماعی خوشی کہتے ہیں۔ عید مسلمانوں کی اجتماعی خوشی کا نام ہے، ایسی خوشی جو رنگ، نسل، ذات، علاقے اور ملک کے فرق کے بغیر تمام مسلمان مل جل کر مناتے ہیں۔ مل جل کر خوشی منانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر آدمی خوش ہو، اس لیے عید کے موقعے پر ہم میں سے ہر شخص کو یہ خیال بھی رکھنا پڑتا ہے کہ اگر ہمارے آس پاس یا محلے میں کوئی ایسا ہے، جو خوشی منانے کی پوزیشن میں نہیں تو ہم اپنی حیثیت کے مطابق اس کی ضرورت پوری کر دیں، تا کہ وہ بھی ہماری طرح عید کی خوشی میں شامل ہو جائے۔ تم خود سوچو، اگر کسی قوم کا ایک حصہ عید کی خوشیاں مناتا پھرے اور دوسرا بڑا حصہ خوشیوں کی حسرت کرتا رہے تو اسے اجتماعی خوشی کا دن تو نہیں کہیں گے۔ یہ ہماری عید تو ہوگی، مسلمانوں کی عید نہیں کہلائے گی۔ اس کے لیے اسلام نے عید کی نماز سے پہلے پیدا ہونے والے بچے سے لے کر بوڑھے مرد اور عورت پر بھی روزوں کا فطرہ ادا کرنا واجب قرار دیا ہے، خواہ اس نے روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں اور اس بات کی بھی تاکید کی ہے کہ عید کی نماز سے پہلے یہ فطرہ ادا کرنا افضل ہے۔ اس کا اصل مقصد یہی ہے کہ غریب لوگ بھی عید کی خوشی میں اسی طرح شریک ہوں، جس طرح دولت والے۔ خوشی میں ہر شخص کو شریک کرنے کا جذبہ کسی اور قوم کے تہوار میں نہیں ہے۔ عید کی یہی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔

عید مسلمانوں کے لیے صرف تہوار ہی نہیں، بلکہ عبادت کا دن بھی ہے۔ خوشی اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے، اس لیے ہمیں اس کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے، اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے ہم عید کے دن دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ عید ہمارے لیے خوشی کا دن بھی ہے اور عبادت کا دن بھی ہے۔ یہ ایسی خوشی اور عبادت ہے جو بھائی چارے اور محبت کا سبق سکھاتی ہے، ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ پیدا کرتی ہے، ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کی تعلیم دیتی ہے اور ایک ایسا معاشرہ بنانے کی تربیت دیتی ہے، جس میں سب اپنی اپنی حیثیت کے ساتھ برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ ☆

آلودگی

ضیاء الحسن ضیا

پریشاں جس سے ہے یہ ساری دنیا
ہے وہ اک مسئلہ آلودگی کا
اسی آلودگی نے پیارے بچو!
کیا گندا زمیں ، آب و ہوا کو
ہوئیں بیماریاں کتنی ہی پیدا
فضا میں اب ہے مشکل سانس لینا
مشینوں ، گاڑیوں کے شور، غل سے
بہت سے ہوگئے ہیں لوگ بہرے
زمینی گندگی کے اب اثر سے
نہیں محفوظ جھیلیں ، ندی نالے
دھواں چھایا ہوا ہے آسماں پر
نظر آتا ہے دھندلا دھندلا منظر
نہ کوڑا گھر کے دروازوں پہ پھینکو
لگے گا گندگی کا ڈھیر دیکھو
سنو! ماحول کو ستھرا بناؤ
گھروں ، گلیوں کو پیڑوں سے سجاؤ

سر سید احمد خاں

مسعود احمد برکاتی

۱۸۵۷ء میں برصغیر پاک و ہند کی پہلی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد ملک پر انگریزوں کا قبضہ مضبوط ہو گیا تو انگریزوں نے وہ تمام تدبیریں اختیار کرنی شروع کیں جو اُن کو آیندہ اس قسم کے خطروں سے بچا سکیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو اپنا نمبر ایک دشمن سمجھا، اس لیے مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ دوسری طرف مسلمانوں میں مایوسی چھانے لگی۔ انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے انھوں نے اپنا تن، من، دھن سب لگا دیا تھا، لیکن اس میں ناکامی نے اُن کے حوصلے پست کر دیے۔ ان کے لیڈر ختم ہو گئے۔ ان حالات میں سر سید احمد خاں سامنے آئے اور انھوں نے حالات کو سمجھنے کی کوشش کی اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیاں خلیج کو کم کرنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کو بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو تیار کرنا پڑے گا۔

سر سید احمد خاں دہلی کے معزز خاندان میں ۱۷- اکتوبر ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم اُس زمانے کے رواج کے مطابق گھر پر ہوئی۔ قرآن مجید، فارسی اور عربی کے علاوہ ریاضی اور طب کی تعلیم بھی حاصل کی۔ اٹھارہ انیس سال کی عمر میں سر سید نے تعلیم ختم کر دی، لیکن مطالعے کا شوق تمام عمر رہا۔ ۱۸۳۸ء میں اپنے والد میر متقی کے انتقال کے بعد سر سید کو ملازمت کرنی پڑی، ابتدا میں وہ سرشتہ دار مقرر ہوئے، لیکن جلد ہی منصفی کا امتحان پاس کر لیا۔ ۱۸۴۱ء میں منصف بنا دیے گئے۔ اس ملازمت میں وہ مین پوری،

فتح پور، دہلی، بجنور رہے، پھر ترقی پا کر صدر امین کی حیثیت سے مراد آباد رہے۔ ۱۸۶۲ء میں غازی پور تبادلہ ہو گیا، جہاں انھوں نے ۱۸۶۳ء میں ''سائنٹی فک سوسائٹی'' قائم کی۔ اس کے علاوہ انھوں نے غازی پور میں ایک اسکول بھی قائم کیا۔ ۱۸۶۴ء میں سر سید کا تبادلہ علی گڑھ ہو گیا اور سائنٹی فک سوسائٹی بھی ان کے ساتھ علی گڑھ آ گئی۔ سر سید نے یہاں سے ۱۸۶۶ء میں ایک اخبار ''علی گڑھ انسی ٹیوٹ گزٹ'' کے نام سے نکالا، جو پہلے ہفتہ وار تھا۔ پھر ہفتے میں دو بار شائع ہونے لگا اور سر سید کی زندگی تک نکلتا رہا۔ یہ اخبار اردو انگریزی دونوں زبانوں میں نکلتا تھا اور اس کا مقصد انگریزوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خیالات و حالات سے واقف کرنا تھا۔ ۱۸۶۷ء میں سر سید کا تبادلہ علی گڑھ سے بنارس ہو گیا۔

۱۸۶۹ء میں سر سید اپنے دونوں بیٹوں کو لے کر انگلستان چلے گئے، جہاں وہ ڈیڑھ سال تک وہاں کے حالات خاص طور پر وہاں کے تعلیمی اصول اور طریقوں کو دیکھتے سمجھتے رہے۔ وہ کیمبرج یونی ورسٹی بھی گئے اور بہت غور سے وہاں کے تعلیمی طریقے کو دیکھا اور سمجھا اور اپنے ملک اور قوم کی اصلاح و ترقی کے خیالات و جذبات لے کر وطن واپس آئے، لیکن یہاں مسلمانوں کے پرانے خیالات اور انگریزی تعلیم سے اُن کی نفرت بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ چناں چہ سر سید نے مسلمانوں کے خیالات کی اصلاح کے لیے ۱۸۷۰ء میں رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا، جو چھے سال تک نکلتا رہا۔ اس رسالے کا مقصد یہ تھا کہ ایک طرف مسلمانوں کو یہ بتایا جائے کہ اسلام، سائنس اور تمدنی ترقی کا مخالف نہیں ہے، دوسری طرف عیسائیوں کی یہ غلط فہمی بھی دور کی جائے کہ اسلام ترقی کا دشمن ہے۔

تہذیب الاخلاق کی شروع شروع میں بڑی مخالفت ہوئی، لیکن آہستہ آہستہ اس کو پسند کرنے والے بھی بڑھتے گئے۔ ۱۸۷۵ء میں سرسید نے علی گڑھ میں ''مدرستہ العلوم'' قائم کردیا اور پوری توجہ سے مدرسے کا کام کرنے کے لیے ۱۸۷۶ء میں سرکاری ملازمت سے استعفا دے دیا اور اب وہ پوری طرح علی گڑھ کو پورے برصغیر کے مسلمانوں کا تعلیمی اور ذہنی مرکز بنانے میں لگ گئے۔

سرسید کا سفرِ انگلستان اور ساری جدوجہد دراصل اُن کے اس عظیم کارنامے کے لیے تھی جو آج مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے نام سے دنیا کے سامنے ہے اور جس نے مسلمانوں کو جگایا اور اُن کو احساس دلایا کہ مایوسی کے اندھیرے سے نکلنے اور دوسری قوموں کا مقابلہ کرنے کے لیے اُن کو اپنی تعلیم کا نظام نئی بنیادوں پر قائم کرنا پڑے گا۔ وہ ابتدا میں ہندستان میں رہنے والی تمام قوموں کی ترقی اور بھلائی کی کوشش میں تھے، لیکن حالات کے رُخ کو دیکھ کر اُن کی دور بین نگاہوں نے بہت جلد یہ دیکھ لیا کہ برصغیر کی دو بڑی قومیں یعنی ہندو اور مسلمان دل سے کسی کام میں شریک نہ ہوسکیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ سرسید کی تحریک برصغیر کے مسلمانوں کی حیاتِ نو کا ذریعہ بنی اور مسلمان آج ایک آزاد وطن میں خود مختار اور باوقار زندگی گزار رہے ہیں۔ بابائے اردو نے صحیح لکھا ہے: ''اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ قصرِ پاکستان کی بنیاد میں سب سے پہلی اینٹ اسی پیرِ مرد (سرسید) کے مبارک ہاتھوں نے رکھی۔''

سرسید نے سرکاری ملازمت کے دوران انگریزوں کو قریب سے دیکھا۔ اُن کی خوبیوں اور خامیوں کو سمجھا۔ اسی کے ساتھ وہ علمی کاموں سے بھی غافل نہیں رہے۔ انھوں

نے ''آثار الصنادید'' جیسی تحقیقی کتاب لکھی، جس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ ''گارسیں دتاسی'' نے کیا۔ بجنور کی تاریخ لکھی۔ ''اسباب بغاوتِ ہند'' جیسی کتاب لکھ کر انگریزوں کی غلطیوں کو بڑی جرأت سے واضح کیا۔ ''آئین اکبری'' کی تصحیح کی۔ ''تاریخ سرکشیِ بجنور'' لکھی۔ ''تاریخ فیروز شاہی'' کی تصحیح کی۔ سیکڑوں مضامین لکھے۔ کالج کے لیے چندے جمع کیے۔ کالج کی عمارتوں کی تعمیر کی خود نگرانی کی۔ خود انگریزی کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی، لیکن انگریزی کی عمدہ کتابیں اردو میں ترجمہ کرائیں اور جدید خیالات و معلومات سے اہلِ وطن کو روشناس کرایا۔ سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ولیم میور کی کتاب کا مدلل جواب ''خطباتِ احمدیہ'' کی شکل میں لکھا اور اس کا انگریزی ترجمہ اپنا سامان بیچ کر شائع کیا۔ سرسید کی زندگی محنت، خدمت اور قومی ہمدردی کا بہت اعلا نمونہ ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کے حق میں جو راستہ صحیح سمجھا، اس پر مخالفتوں اور رکاوٹوں کی پروا کیے بغیر مردانہ وار چلتے رہے۔

یہ روشن خیال مصلح عمر بھر اپنی قوم کی ذہنی ترقی کی کوشش اور اردو ادب کو مالا مال کرنے میں مصروف رہا اور آخر ۲۷- مارچ ۱۸۹۸ء کو دنیا سے رخصت ہوا۔ یہ اسی بے لوث رہنمائی کا نتیجہ ہے کہ آج بڑے سے بڑا ماہرِ تعلیم بھی اپنے آپ کو سرسید ثانی کہلا کر فخر محسوس کرتا ہے۔

☆☆☆

نیا پڑوسی

وقار محسن

''ہو......او...... ہو......او......''

رات کے سناٹے میں یہ ڈراؤنی آواز سن کر جامن کے درخت پر بسنے والی توتا کالونی میں رہنے والے چونک اُٹھے۔

''اے ہے! پہلے ہی اس درخت پر اتنی آبادی ہے، یہ منحوس کون سا نیا پرندہ آگیا پڑوس میں۔'' مٹھو کی نانی نے غصے سے کہا۔

''نانی! آج جب میں بچوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا تھا تو جامن کے درخت کی کھوہ میں ایک بدصورت پرندے کو سوتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کوئی مسافر پرندہ ہو۔'' مٹھو نے آنکھیں ملتے ہوئے اطلاع دی۔

''اے کوئی بھی ہو، ایسی منحوس آوازیں کیوں نکال رہا ہے!'' نانی نے دوسری طرف منھ پھیرتے ہوئے کہا۔

اگلی صبح کالونی کے سارے بزرگ توتے جمع تھے اور رات کو گونجنے والی آواز پر تبصرہ کر رہے تھے۔ ایک توتے نے کھانستے ہوئے کہا: ''میں نے آج اُٹھتے ہی ساری معلومات حاصل کر لی ہیں اور اس بدصورت پرندے کو دیکھ بھی آیا ہوں۔ اس کا نام اُلو ہے اور دنیا میں بہت سے لوگ اسے عقل مند اور فلسفی پرندہ سمجھتے ہیں۔''

''بھائی میاں! جانے دو۔ ایسا بے سُرا اور بدتہذیب جانور عقل مند کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم اس کو اپنے درمیان نہیں رہنے دیں گے۔'' ایک نوجوان توتے نے

اپنی چونچ ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔

توتوں کا یہ جلوس درخت کے نیچے پہنچ گیا۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک مٹیالے رنگ اور تکونے چہرے والا پرندہ درخت کی کھوہ میں پڑا خراٹے لے رہا ہے۔ توتوں کی ٹیں ...... ٹیں سن کر پرندے نے نیند میں ڈوبی اپنی گول گول آنکھیں کھول کر جماہی لی اور ناگواری سے کہا: ''تم لوگوں نے میری نیند کیوں خراب کر دی! تمھیں پتا نہیں کہ میں رات بھر جاگتا ہوں اور دن میں سوتا ہوں۔''

ایک توتے نے اپنے ساتھی سے کہا: ''لو بھئی، مٹھو کے چاچا! تم کہہ رہے تھے کہ یہ عقل مند جانور ہوتا ہے۔ بھلا دن میں سونے والا بھی معقول جانور ہو سکتا ہے؟''

''اچھا میاں جی! یہ بتاؤ کہ تمھارا رنگ اتنا میلا میلا کیوں ہے، جب کہ ہمارے پَروں کا رنگ کتنا خوب صورت ہے؟'' ایک توتے نے سوال کیا۔

''دیکھو بھئی! اللہ تعالیٰ نے ہر جان دار کو اس کے ماحول کے مطابق تخلیق کیا ہے۔ تمھارے رنگ ہرے ہیں، تاکہ تم ہرے پتوں میں اپنے دشمنوں کی نظروں سے محفوظ رہو۔ ہم لوگ درختوں کی کھوہ میں رہتے ہیں، اس لیے ہمارے پَروں کا رنگ درختوں کی چھال جیسا ہے۔'' اُلّو نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

''بہر حال یہ درخت ہمارا ہے۔ ہم تمھیں اپنی کالونی میں نہیں رہنے دیں گے۔ تمھاری ڈراؤنی آواز سن کر ہمارے بچے سہم جاتے ہیں۔'' مٹھو کی نانی نے کہا۔

''جنگل کے تمام درخت پرندوں کے لیے ہیں۔ ان پر سب کا برابر کا حق ہے۔ ہاں میں کوشش کروں گا کہ میری آواز سے آپ لوگوں کی نیند میں خلل نہ

آئے۔ اب آپ لوگ جائیں، مجھے نیند آرہی ہے۔'' اتنا کہہ کر اُلو نے آنکھیں بند کرلیں۔

اگلے دن پھر توتوں کی میٹنگ ہوئی، تاکہ اس نئے پڑوسی سے نمٹنے کے لیے کوئی مناسب راہ تلاش کی جاسکے۔ ایک بوڑھے توتے نے مشورہ دیا: ''کالونی کے سارے پرندے اس ظالم باز سے پریشان ہیں، جو اکثر رات کو حملہ کرتا ہے اور ہمارے سوتے ہوئے ساتھیوں کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ یہ نیا پڑوسی اُلو رات بھر جاگتا ہے، اس لیے ہم اس کو اس شرط پر رہنے کی اجازت دے دیں کہ وہ رات کو درخت کے چاروں طرف پہرہ دے اور اگر کبھی باز حملہ کرے تو اپنی ہو...... او...... ہو...... او...... سے ہم سب کو ہوشیار کردے۔''

یہ تجویز سب کو پسند آئی اور اگلی رات توتوں کا ایک غول اُلّو سے مذاکرات کے لیے روانہ ہوا۔ آج چودھویں کی رات تھی۔ اُلّو املی کے ایک اُجاڑ درخت پر بیٹھا سوچوں میں گم تھا۔ ہر شے چاندنی میں نہائی ہوئی تھی۔ اُلّو کے پر بھی چاندنی میں نہائے ہوئے تھے اور آج اتنے بُرے نہیں لگ رہے تھے۔ جب توتوں کے وفد نے یہ معاملہ اُلّو کے سامنے رکھا تو اُلّو نے نہایت سنجیدگی سے کہا: ''پیارے دوستو! پڑوسیوں کا ایک دوسرے پر بڑا حق ہوتا ہے۔ یہ میری خوش نصیبی ہوگی، اگر میں اپنے پڑوسی بھائیوں کے کسی کام آسکوں۔ کل سے آپ آرام سے سوئیں۔ اگر اس ظالم باز نے اِدھر کا رُخ کیا تو میں نہ صرف آپ سب کو ہوشیار کردوں گا، بلکہ آپ کے دشمن سے مقابلہ بھی کروں گا۔ میرے پڑوسیوں کا دشمن میرا دشمن ہے۔''

اُلّو کے حوصلہ افزا الفاظ سن کر سب توتے مطمئن ہوئے اور خوشی خوشی اپنے گھونسلوں میں لوٹ گئے۔

یہ جاڑوں کی ایک سرد اور تاریک رات تھی۔ ابھی ندی کے پُل سے ریل گزری تھی اور پھر چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ اُلّو جامن کی سب سے اونچی شاخ پر چاق چوبند بیٹھا تھا کہ اچانک اسے پہاڑی کے پیچھے سے ایک پرندے کا ہیولا نظر آیا، جو توتا کالونی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُلّو کی تیز نگاہوں نے فوراً باز کو پہچان لیا اور اس نے ہو...... او...... ہو...... او...... کی تیز آواز اور پَروں کی پھڑپھڑاہٹ سے جامن اور اس کے آس پاس کے پرندوں کو ہوشیار کردیا۔

چاروں طرف سے کوؤں، چیل، ہُد ہُد، کھٹ بڑھئی اور توتوں کے غول کے غول نکل پڑے۔ ان سب نے باز کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان میں اُلّو سب سے آگے تھا۔ باز نے بہت بھاگنے کوشش کی، لیکن پرندوں نے اپنی نوکیلی چونچوں سے اس کو لہولہان کر دیا اور اس کے پَر نوچ ڈالے۔ کچھ ہی دیر میں باز چیختا ہوا بے جان ہو کر کھائی میں جا گرا۔

اس دن کے بعد توتا کالونی کے توتوں نے اُلّو کو اپنی کالونی کا ایک ساتھی تسلیم کر لیا۔ اب اُلّو کی ہو......او......ہو...... او...... کی آواز ان کی نیند میں خلل نہیں ڈالتی، بلکہ لوری کا کام کرتی تھی۔

☆☆☆

جوتے کی چوری

لیاقت علی، تلمبہ

میڈم بخاری نے دیوار میں لگی اسکرین پر نظر آنے والے جوتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''یہ جوتا بہت ہی خوبصورت ہے اور شیشے جیسی پلاسٹک کا بنا ہوا ہے۔ اس کے تلوے سیاہ رنگ کے ہیں۔ اوپری حصے پر سفید نگینے جڑے ہوئے ہیں۔ یہ جوتا بیڈ روم کے ساتھ والے کمرے میں کپڑوں والی الماری کے نچلے خانے میں باقی جوتوں کے ساتھ رکھا ہے، اسے چُرا کر لانا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے میڈم بخاری نے ریموٹ کا بٹن دبایا تو دیوار میں نصب سکرین تاریک ہوگئی۔

''ٹھیک ہے...... اگر آپ کے پاس اس کے بارے میں مزید معلومات ہوں تو مجھے

بتائیں۔'' فیضان نے کہا۔ وہ ایک عادی چور تھا۔

''رہائشی عمارت کی پچھلی جانب ایک دروازہ ہے جو اکثر کھلا رہتا ہے۔ اندر داخل ہوتے ہی دائیں طرف دوسرا کمرا احمد گیلانی کا بیڈ روم ہے۔ یہ اس گھر کا نقشہ اور پتا ہے۔ اب تم اپنا معاوضہ بتاؤ۔'' میڈم بخاری نے اسے ایک نقشہ اور ایک پرچی پکڑائی۔ پرچی پر پتا لکھا ہوا تھا۔

''پچیس ہزار روپے......''

''پچیس ہزار روپے؟...... یہ تو بہت زیادہ ہیں۔'' میڈم بخاری نے حیرانی سے کہا۔

''جی! اگر یہ زیادہ ہیں تو آپ کسی اور سے یہ کام لے لیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' فیضان نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''بیٹھو!...... میں تمھیں پچیس ہزار روپے ادا کرنے کو تیار ہوں۔'' میڈم بخاری نے اسے اُٹھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

''ٹھیک ہے...... آپ پندرہ ہزار روپے پیشگی اور یہ پرچی مجھے دے دیں اور بے فکر ہو جائیں۔'' فیضان دوبارہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''یہ لو...... اور ہاں...... کام ہونا چاہیے۔'' میڈم بخاری نے پیسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

''آپ فکر نہ کریں۔'' فیضان نے پیسے گنے بغیر جیب میں رکھے اور وہاں سے نکل آیا۔

☆......☆......☆

گیلانی ہاؤس، 10 جیل روڈ، نارتھ سٹی۔ فیضان نے گیٹ پر لکھا ہوا پتا دیکھا۔ پھر جیب سے میڈم بخاری کی دی ہوئی پرچی نکالی اور اس پر لکھا پتا پڑھا۔ یہاں سے اسے ایک عام سا گھر میں پہنا جانے والا جوتا چُرانا تھا۔

میڈم بخاری سے ملنے کے بعد فیضان گھر نہیں گیا تھا، بلکہ سیدھا میڈم بخاری کے دیے گئے پتے پر پہنچ گیا تھا، تا کہ اپنے کام کی منصوبہ بندی کر سکے۔ اس نے وہاں پہنچ کر چاروں طرف سے گھر کا جائزہ لیا۔ مین گیٹ پر ایک چھوٹا سا کیبن بنا ہوا تھا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ وہاں ہر وقت کوئی نہ کوئی گارڈ موجود رہتا ہو گا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ سوائے چھت کے گھر کے اندر نہیں جایا جا سکتا تھا۔ چاروں طرف گھوم کر اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد وہ گھر میں داخل ہونے کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے واپس آ گیا۔ اس نے یہ کام اگلی رات ہی سرانجام دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆......☆......☆

اگلی رات فیضان بارہ بجے کے قریب اس مکان پر پہنچ گیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک رسا بھی لایا تھا، جس کے ایک سرے پر لوہے کا ایک مضبوط اور بھاری کنڈا لگا ہوا تھا۔ اس نے پاؤں میں ہلکی قسم کا کپڑے کا بنا ہوا بوٹ پہن رکھا تھا تاکہ گھر میں کودتے وقت کوئی آواز پیدا نہ ہو۔ اس کے علاوہ مختلف قسم کی چابیوں کا گچھا، کچھ تار، ایک چھوٹی ٹارچ اور ایمرجنسی کے لیے ایک پستول اس کی جیکٹ کی جیبوں میں موجود تھے۔ سردیوں کے دن تھے اور سردی اپنے عروج پر تھی۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ تاہم اس نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے پورے گھر کے گرد ایک چکر لگایا تاکہ دیکھ سکے کہ کہیں اس گھر کی نگرانی تو نہیں کی جا رہی۔ ہر طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اس نے گھر کی پچھلی طرف سے چھت پر رسا پھینکا اور اس کے ذریعے تھوڑی ہی دیر میں چھت پر پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا سیڑھیوں کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ چنانچہ وہ رسّے کے ذریعے ہی چھت سے نیچے گیلری میں کود گیا۔ اس طرح وہ کودنے کی آواز سے بھی بچ گیا تھا۔ نیچے سارا گھر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ نقشے پر میڈم بخاری کے بتائے گئے نقشے کے عین مطابق پچھلی طرف ایک دروازہ تھا جو اس وقت بند تھا۔ اس نے تھوڑا سا زور لگا کر یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ دروازہ لاک تھا یا ویسے ہی بند تھا۔ جیسے ہی اس نے دروزے پر ہاتھ سے دباؤ ڈالا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔ فیضان اندر داخل ہو گیا۔ اپنے مطلوبہ کمرے تک پہنچنے کے بعد فیضان نے تیزی سے اپنا کام شروع کر دیا۔ سب سے پہلے اس نے جیب سے چابیوں کا گُچھا نکالا اور تالا کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ دو تین چابیاں گھمانے کے بعد تالا کھل گیا۔ وہ اندر پہنچ گیا۔ کمرا ایک سٹور روم کا منظر پیش کر رہا تھا۔ سامنے کی

دیوار میں کپڑے رکھنے والی ایک بڑی سی الماری تھی۔ اس نے اس کے دروازے کو ہینڈل سے پکڑ کر دیکھا۔ دروازہ لاک تھا۔ پھر اس نے مختلف چابیوں سے زور آزمائی شروع کر دی۔ اس مرتبہ وہ لاک کھولنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ آخر کار اس نے جیب سے ایک تار نکالا اور اپنے مخصوص طریقے سے اسے لاک میں گھمانے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں تالا ہلکی سی کِلک کی آواز کے ساتھ کھل گیا۔ اس نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ وہ کم سے کم وقت میں اپنا کام مکمل کر لینا چاہتا تھا۔ چھوٹی ٹارچ نکالی اور اس کی روشنی میں الماری کے نچلے جوتے رکھنے والے خانے کا جائزہ لینے لگا۔ جلد ہی اسے دوسرے جوتوں کے درمیان میں رکھا اپنا مطلوبہ جوتا نظر آ گیا۔ اس نے جلدی سے جوتا اٹھایا، مگر اسے محسوس ہوا کہ جیسے جوتا کسی چیز سے چپکا ہوا تھا۔ اس نے تھوڑا زور لگا کر جوتا اٹھا لیا۔ ابھی وہ اسے اپنی جیکٹ کی اندرونی مخصوص جیب میں رکھ ہی رہا تھا کہ اچانک دور کہیں سائرن بجنے کی آواز سنائی دی۔ اس کی چھٹی حس نے فوراً خطرے کو محسوس کر لیا۔ وہ تیزی سے وہاں سے نکلا اور تقریباً دوڑتے ہوئے پچھلے دروازے کی طرف بڑھا، لیکن دیر ہو چکی تھی۔ دو مسلح گارڈ دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ وہ واپس مڑا۔ اس کے سامنے گیلانی صاحب ہاتھ میں پستول لئے کھڑے تھے۔

''دونوں ہاتھ اوپر اٹھاؤ! تم چاروں طرف سے گِھر چکے ہو۔ کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔'' دونوں گارڈز میں سے ایک نے کہا اور وہ دونوں اس کی طرف بڑھنے لگے۔ فیضان بری طرح پھنس چکا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا لیے۔ جیسے ہی وہ اس کے پاس پہنچے، وہ اچانک اپنی جگہ سے اچھلا۔ اگلے ہی لمحے

وہ دونوں بری طرح لڑکھڑا گئے۔ وہ گرتے ہوئے گیلانی صاحب سے ٹکرائے اور تینوں ایک دوسرے پر گرے۔ فیضان اڑتا ہوا دروازے کے پاس گرا اور ان کے سنبھلنے سے پہلے باہر نکل گیا۔ باہر نکلتے ہی وہ ایک بار پھر اچھلا اور ہوا میں اڑتا ہوا دیوار کے دوسری طرف جا گرا۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھتا، سپاہیوں نے آگے بڑھ کر اسے گھیرے میں لے لیا۔ اس نے دیکھا مکان کو چاروں طرف سے پولیس نے گھیر لیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ جوتے سمیت تمام چیزیں نکال کر اپنے قبضے میں لے چکے تھے۔ ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر اسے ہتھ کڑی لگا دی اور گرفتار کر لیا۔

☆......☆......☆

تھانے میں اگلے دن فیضان نے سب کچھ بتا دیا۔ اس کے بتانے پر میڈم بخاری کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ میڈم بخاری نے بتایا کہ یہ کام ان کی کمپنی کے منیجر نے ان کے ذمے لگایا تھا اور اس کے لئے انھوں نے انھیں پچاس ہزار روپے دیے تھے۔ ان کے بیان پر پولیس نے منیجر کو گرفتار کر لیا۔ منیجر نے جو تفصیل بتائی وہ نہایت حیران کن تھی۔

☆......☆......☆

گیلانی صاحب خفیہ ایجنسی میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے۔ ان کے پاس اہم ملکی رازوں کی فائلیں ہوتی تھیں۔ ان فائلوں کی چوری کے ڈر سے انھوں نے دستاویزات کی مائکروفلم بنا کر ایک عام سے دکھائی دینے والے جوتے کے تلووں میں سلوا دی۔ ان کا خیال تھا کہ کسی کا ذہن اس طرف نہیں جائے گا۔ پھر بھی انھوں نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور اس جوتے کی حفاظت کے لئے اس کے تلووں کے نیچے ایک مقناطیسی

تہہ لگوائی جسے لوہے سے بنے ہوئے ایک ایسے سسٹم پر رکھا گیا کہ جب وہاں سے جوتے اٹھائے جاتے تو گارڈز کے کیبن اور اس علاقے کے تھانے میں ایک سائرن بجنا شروع ہو جاتا، جس سے پولیس اور گارڈز کو پتا چل جاتا کہ گھر میں کوئی ایمر جنسی ہے اور وہ فوراً وہاں پہنچ جاتے۔ جوتے میں رکھی فلم کا علم کسی طرح پڑوسی ملک کی خفیہ ایجنسی کو ہو گیا تھا۔ وہ خفیہ معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے، لیکن انھیں جوتے کے حفاظتی انتظام کا علم نہیں تھا۔ تاہم گیلانی صاحب کی احتیاط پسندی نے یہ سازش ناکام بنا دی۔

☆☆☆

ہمارے بزرگ، ہمارے محسن

نظر زیدی

اس نوجوان کا حال یہ تھا کہ اسے تعلیم مکمل کرنے کے سوا کوئی اور بات اچھی لگتی ہی نہ تھی۔ یہ نوجوان ایک بہت معزز اور شریف گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے بزرگوں کو مغل بادشاہوں نے اپنے دربار میں بہت عہدے دیے تھے، لیکن جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں، خود مغل بادشاہوں کی حالت بہت بگڑ چکی تھی۔ آخری مغل بادشاہ سراج الدین بہادر شاہ ظفر کی حکومت بس دہلی کے لال قلعے تک رہ گئی تھی۔ چناں چہ اس مناسبت سے نوجوان کے گھرانے کی مالی حالت بگڑی ہوئی تھی۔ پھر بھی اس زمانے کے مسلمان گھرانوں کے بچوں کی طرح اسے مدرسے میں داخل کیا گیا تھا اور اس نے قرآن مجید حفظ کرنے کے علاوہ فارسی اور عربی کی کچھ کتابیں پڑھ لی تھیں۔

اس زمانے میں درس نظامی مکمل کرنے والے طالب علموں کو فضیلت کی سند مل جاتی تھی اور وہ ایک عالم کی حیثیت سے بہت اچھی نوکری حاصل کر سکتے تھے۔ یہ نوجوان پکا ارادہ کیے ہوئے تھا کہ وہ یہ درس مکمل کرے گا، لیکن گھر کے حالات اسے تعلیم جاری رکھنے کی اجازت نہ دیتے تھے اور اسی وجہ سے اس نے گھر سے چلے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

گھر چھوڑنے کے بعد یہ نوجوان سیدھا دہلی پہنچا۔ یہ شہر اس زمانے میں مغلوں کا دارالحکومت تھا۔ علم حاصل کرنے کے شوقین پردیسی نوجوان نے اس شہر میں آکر ڈیڑھ برس تک بہت محنت سے تعلیم کی اور پھر ڈپٹی کمشنر صاحب کے دفتر میں ملازم ہو گیا۔ تنخواہ پندرہ رپے ماہوار مقرر ہوئی۔ ہمارے زمانے میں تو پندرہ رپے بالکل کم لگتے ہیں، لیکن اس زمانے میں یہ تنخواہ اچھی خاصی تھی، کیوں کہ ضرورت کی چیزیں بہت سستی تھیں۔ چناں چہ اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے علاوہ کچھ رپے اپنے گھر بھیجنے لگا۔ اب وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ اپنے گھر والوں کی مدد بھی

کرسکتا تھا اور اپنی تعلیم بھی جاری رکھ سکتا تھا، لیکن مئی ۱۸۵۷ء میں اچانک ہنگامے شروع ہو گئے۔ یہ ہنگامے انگریزوں کو اس ملک سے نکالنے کے لیے شروع ہوئے تھے، لیکن چالاک انگریزوں اور ان کی پٹھوؤں نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ یہ جنگ آزادی کام یاب نہ ہوئی، ہر طرف لوٹ مار شروع ہو گئی اور دہلی اور دوسرے شہروں کی طرح اس نوجوان کے وطن حصار میں بھی امن باقی نہ رہا۔ چناں چہ یہ نوجوان نوکری چھوڑ کر اپنے گھر آ گیا۔

یہ نوجوان کون تھا؟

اب موقع آ گیا ہے کہ ہم اس باہمت اور علم حاصل کرنے کے شوقین نوجوان کا نام ظاہر کر دیں۔ اس کا نام ہے خواجہ الطاف حسین حالی! جی ہاں وہ خواجہ الطاف حسین حالی جنھیں اردو ادب اور شاعری کا ایک ستون اور مسلمان قوم کا بہت بڑا محسن مانا جاتا ہے۔

جب تک ۱۸۵۷ء کے ہنگامے جاری رہے، خواجہ صاحب اپنے وطن شہر پانی پت میں رہے۔ جب یہ ہنگامے ختم ہو گئے تو روزگار کی تلاش میں پھر دہلی آ گئے اور اس مثل کے مطابق کہ جب کوئی بھلائی کے راستے پر چلنے کا پکا ارادہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرتا ہے، خواجہ صاحب کو ایک بہت اچھی نوکری مل گئی۔ ایک مسلمان رئیس اور شاعر نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے انھیں اپنے بچوں کی تعلیم اور تربیت کے لیے ملازم رکھ لیا اور اپنے ساتھ اپنی جاگیر جہانگیر آباد لے گئے۔ یہ ماحول خواجہ صاحب کے لیے بہت ہی اچھا تھا۔

خواجہ حالی ۱۸۶۳ء سے ۱۸۷۰ء تک نواب شیفتہ کے ساتھ رہے۔ اس زمانے میں انھوں نے مرزا غالب کو اپنا استاد بنایا اور ان کی شاعری کا حسن چمکا۔

یہ ملازمت خواجہ حالی کے لیے بہت اچھی تھی، لیکن قدرت تو انھیں ترقی کے بہت اونچے درجوں تک پہنچانا چاہتی تھی۔ چناں چہ ان کے ایک ہندو دوست منشی پیارے لال آشوب کی کوشش سے انھیں پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں جگہ مل گئی اور وہ لاہور آ گئے۔ ان

کی ڈیوٹی یہ تھی کہ جو چیزیں انگریزی سے اردو زبان میں ترجمہ کی جائیں، ان کی غلطیاں ٹھیک کر دیں۔

یہ کام کرتے ہوئے خواجہ صاحب کو اندازہ ہوا کہ اردو زبان کے ادیب اور شاعر جو چیزیں لکھتے ہیں، ان میں زندگی کی سچائیاں کم اور خیالی باتیں زیادہ ہوتی ہیں، جب کہ انگریزی زبان کے ادب اور شاعری کا یہ حال نہیں ہے۔ اس زبان کے ادیب اور شاعر جو چیزیں لکھتے ہیں، ان میں ایسی باتیں ہوتی ہیں جن میں زندگی کا سچا حسن ہوتا ہے اور جنھیں پڑھ کر انسان اپنے کو اچھا بنا سکتا ہے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ جب خواجہ حالی اس طرح کی باتیں سوچ رہے تھے، اردو زبان کے نامور مصنف مولانا محمد حسین آزاد بھی لاہور میں تھے اور محکمۂ تعلیم پنجاب کے نیک دل انگریز ڈائرکٹر کرنل ہال رائڈ بھی یہ چاہتے تھے کہ اردو زبان کے شاعر اور ادیب اپنی پرانی ڈگر چھوڑ کر نیا رنگ اختیار کریں۔ چناں چہ خواجہ حالی نے ان سب سے مشورہ کیا کہ نئے رنگ کے مشاعرے کی بنیاد رکھی جائے، جس میں صرف ایسی نظمیں سنائی جائیں جو نئے انداز میں لکھی گئی ہوں اور جن میں خیالی باتوں کی جگہ زندگی سے تعلق رکھنے والی باتیں نظم کی گئی ہوں۔ یہ ۱۸۷۴ء کی بات ہے۔ ایسی شاعری کو نیچرل شاعری کا نام دیا گیا۔ ان حضرات نے ایک ادبی انجمن بھی بنائی، جس کا نام انجمن پنجاب رکھا گیا۔ ان مشاعروں میں پڑھنے کے لیے خواجہ حالی نے بہت زوردار نظمیں لکھیں اور وہ بے حد پسند کی گئیں۔

لاہور میں رہنا اس لحاظ سے تو خواجہ صاحب کے لیے بہت اچھا تھا کہ وہ بہت ہی مفید کام رہے تھے۔ شعر و شاعری اور پنجاب بک ڈپو میں کام کرنے کے علاوہ وہ چیفس کالج لاہور میں کچھ وقت پڑھاتے بھی تھے، لیکن اس شہر کی آب و ہوا انھیں راس نہ آئی۔ ان کی صحت خراب ہوگئی اور وہ استعفا دے کر دہلی چلے گئے۔

دہلی آ کر انھوں نے کچھ آرام کیا اور پھر اینگلو عربک اسکول میں پڑھانے لگے۔ یہ تیسری بار دہلی آنا ان کے لیے بہت ہی مبارک ثابت ہوا۔ یہاں ان کی ملاقات ہماری قوم کے بہت بڑے محسن سر سید احمد خاں سے ہوئی۔ سر سید ان دنوں مسلمانوں کی بھلائی کے لیے کام کر رہے تھے۔ ایک تو مسلمان بچوں کو تعلیم دینے کا انتظام اور دوسرا انھیں ان فضول رسموں اور رواجوں کو بچانا، جن کی وجہ سے حکومت چھن گئی تھی اور وہ انگریزوں کے محکوم ہو گئے تھے۔

خواجہ حالی نے خوب سمجھ کر یہ فیصلہ کیا کہ اپنی باقی زندگی وہ سر سید کے سچے رفیق کی حیثیت سے بسر کریں گے۔ لاہور کے قیام کے دوران انھوں نے نیچرل شاعری کا طریقہ اپنایا تھا، اب قومی اور ملی شاعری کا رنگ اختیار کر لیا اور اس رنگ کی شاعری میں ایسا کمال حاصل کیا کہ ان کا نام قیامت تک سورج کی طرح چمکتا رہے گا۔

سر سید نے ایک بار کہا تھا: ''اگر خدا قیامت کے دن مجھ سے سوال کرے گا کہ دنیا سے کیا لایا؟ تو میں جواب دوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا کر لایا ہوں۔'' اور اس میں شک نہیں کہ مسدس حالی جس کا نام انھوں نے ''مسدس مد و جزر اسلام'' رکھا تھا، ایک ایسی نظم ہے کہ اردو زبان تو کیا دنیا کی کسی زبان میں بھی اس جیسی خوب صورت، پُر اثر اور با مقصد نظم موجود نہیں۔ خواجہ صاحب نے اس مسدس میں ان محترم بزرگوں کی شان بیان کی ہے جنھوں نے مقدس دین اسلام کو ساری دنیا میں پھیلایا اور اتنی بڑی اسلامی سلطنت قائم کی کہ اس جیسی کوئی اور سلطنت پوری دنیا میں نہ تھی۔ پھر ان غلطیوں اور کم زوریوں کی طرف توجہ دلائی ہے جن میں پھنس کر مسلمان ذلیل ہو گئے اور ان کی سلطنتیں مٹ گئیں اور یہ سب کچھ ایسے پیارے انداز میں لکھا ہے کہ ہر بات دل میں اُتر جاتی ہے۔ یہ مسدس انھوں نے ۱۸۷۹ء میں مکمل کی تھی۔ دنیا کی بہت سی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

☆☆☆

پیغام

محمد شفیق اعوان

جگنو کی جیسی شمع جلاؤ
بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھاؤ

ظلم کی اندھی نگری میں تم
امن و وفا کے دیپ جلاؤ

سب کی خدمت کرنا سیکھو
محتاجوں کے تم کام آؤ

کھیلو ، کودو شوق سے لیکن
کام سے اپنے جی نہ چراؤ

لڑنا جھگڑنا ٹھیک نہیں ہے
پیار محبت سے پیش آؤ

کام کرو تم نیکی کے سب
پاس بُرائی کے مت جاؤ

جہدِ مسلسل سے تم بچّو!
سُوئے منزل بڑھتے جاؤ

طائف

راحیل رفیق

سعودی عرب میں مکے کے جنوب مشرق میں سطح سمندر سے ۳۰۰۰ فیٹ کی بلندی پر طائف نامی شہر واقع ہے۔ شہر کے ارد گرد قلعے نما چار دیواری ہونے کی وجہ سے اس کا نام طائف پڑ گیا۔ یہ پہاڑوں کے درمیان ہونے کی وجہ سے سیر و تفریح کا پُر فضا اور ٹھنڈا مقام ہے۔ اچھی آب و ہوا کی وجہ سے یہاں کی زمین زرخیز ہے اور انگور، انار، کیلے اور دوسرے موسمی پھل کافی تعداد میں پیدا ہوتے ہیں۔ عرب کا مشہور میوہ اور حاجیوں کی طرف سے دنیا بھر میں تحفے میں دی جانے والی کھجور کے لاتعداد باغات بھی طائف میں ہیں۔ عرب کے امیر لوگوں نے یہاں کوٹھیاں اور بڑی بڑی محل نما عمارتیں بنوائی ہیں، جن میں سرسبز باغات بھی ہیں۔ ان عمارتوں سے طائف شہر کی رونق کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ طائف عرب میں منفرد مقام رکھتا ہے۔

یہ وہی طائف ہے، جہاں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے دسویں سال اس وقت تشریف لے گئے، جب مکے میں کفار نے آپؐ پر حد سے زیادہ مظالم ڈھائے۔ دراصل آپؐ کا خیال تھا کہ اگر طائف والے اسلام کی دعوت قبول کر لیں تو طائف کو اسلام کا مضبوط مرکز بنایا جا سکے گا، لیکن طائف والوں نے بڑا گستاخانہ رویہ اختیار کیا اور ہمارے پیارے نبیؐ پر پتھر برسا کر انھیں لہولہان کر دیا۔ زخموں سے چُور

ہو کر آپؐ نے عتبہ نامی عیسائی کے باغ میں پناہ لی۔ عتبہ کے غلام نے آپؐ کو اس حالت میں سنبھالا۔ آپؐ کے ہاتھوں اور سرِ مبارک کو چوما اور اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس نے آپؐ کو انگور کا خوشہ بھی پیش کیا۔ اس جگہ یادگار کے طور پر مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔

حضرت جبرائیلؑ نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہؐ! آپ حکم دیں تو طائف والوں کو پہاڑوں کے درمیان دبا کر کچل دوں۔''

لیکن ہمارے پیارے نبیؐ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ دعا فرمائی کہ اللہ ان لوگوں کو ہدایت دے۔ ہو سکتا ہے اسلام سے ناواقف ان لوگوں کی نسلوں میں اللہ تعالیٰ اسلام قبول کرنے والے پیدا کر دے۔

طائف میں آپؐ نے ایک مہینے قیام کیا اور واپس مکے تشریف لے گئے۔ اس واقعے کے دس سال بعد یعنی ہجرت کے ساتویں سال میں اسلامی فوج نے طائف کا ۲۰ دن تک محاصرہ کیا اور ''غزوۂ طائف'' کے کچھ ماہ بعد طائف والوں نے اسلام قبول کر لیا۔

آج کل تو طائف میں غیر ملکیوں کے لیے بھی کچھ جگہ مخصوص کر دی گئی ہے اور سعودی پائلٹوں اور فوجیوں کی تربیت کا سینٹر بھی قائم ہو گیا ہے۔ طائف کا موجودہ اسلامی ماحول ہمارے پیارے نبیؐ کی دعاؤں کا ہی پھل ہے۔ ☆

بیت بازی

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا
خاکِ ناچیز تھا ، سو مجھے انسان کیا

شاعر: میر تقی میر پسند: کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری

یہ انتقام ہے دشتِ بلا سے بادل کا
سمندروں پہ برستے ہوئے گزر جانا

شاعر: عالم تاب تشنہ پسند: مصباح عباسی، راولپنڈی

ابھی نہ چھیڑ محبت کے گیت اے مُطرب!
ابھی حیات کا ماحول خوش گوار نہیں

شاعر: ساحر لدھیانوی پسند: علی حیدر لاشاری، لاکھڑا

وطن کی ریت ، ذرا ایڑیاں رگڑنے دے
مجھے یقیں ہے پانی یہیں سے نکلے گا

شاعر: احمد ندیم قاسمی پسند: عرشیہ نوید، کراچی

مستقل بولتا ہی رہتا ہوں
کتنا خاموش ہوں میں اندر سے

شاعر: جون ایلیا پسند: ماہ نور طاہر، لیاقت آباد

خواب ہوتے ہیں محبت کے سہانے کتنے
آنکھیں کہہ دیتی ہیں لمحوں میں فسانے کتنے

شاعر: پرویز اختر پسند: وجیہ حسین، نارتھ کراچی

مدت سے لاپتا ہے ، خدا جانے کیا ہوا
پھرتا تھا ایک شخص تمھیں پوچھتا ہوا

شاعر: سعید خان اختر پسند: محمد منیر نواز کراچی

نہ سو سکا ہوں ، نہ شب جاگ کر گزاری ہے
عجیب دن ہیں ، سکوں ہے نہ بے قراری ہے

شاعر: ظہور نظر پسند: عاقب خان جدون، ایبٹ آباد

اتنے حصوں میں بٹ گیا ہوں میں
میرے حصے میں کچھ بچا ہی نہیں

شاعر : کرشن بہاری نور پسند: خرم احمد، لاہور

مخالفوں نے خبر جب کوئی اُڑا دی ہے
تو دوستوں نے اسے اور بھی ہوا دی ہے

شاعر: اطہر ضیائی پسند: آمنہ اشرف، ملتان

دیوارِ خستگی ہوں ، مجھے ہاتھ مت لگا
میں گر پڑوں گا دیکھ ، مجھے آسرا نہ دے

شاعر: اسلم انصاری پسند: طارق امان اللہ، پشاور

مجھ کو پھر حکمِ سفر گردشِ ایام نہ دے
میرے چہرے پہ ابھی گردِ سفر باقی ہے

شاعر: محمد مبین نجیب پسند: شائلہ ذیشان، ملیر

جن لوگوں کو خواب سہانے لگتے ہیں
ان کی بیداری میں زمانے لگتے ہیں

شاعرہ : شکیل احمد ضیا پسند : ہانیہ حبیب، کراچی

ہر گام بہک جانے کا امکان ہے موجود
انسان بہر حال فرشتہ تو نہیں ہے

شاعر : افخار عالم بیاتی پسند : ماہ رخ آفتاب، کراچی

ایک پیارا انسان، ایک مقبول شاعر

مسعود احمد برکاتی

۱۶- جون ۱۹۹۳ء...... اس تاریخ کو قمر صاحب ہم سے روٹھ گئے۔ کون قمر صاحب! بھئی، وہی جن کی نظمیں اکثر ہم پڑھا کرتے ہیں، قمر ہاشمی۔

جناب قمر ہاشمی بہت اچھے شاعر تھے۔ پیاری نظمیں اور غزلیں کہتے تھے۔ بڑوں کے لیے بھی اور بچوں کے لیے بھی۔ بڑوں کے لیے تو ان کو شاعری کرتے کوئی آدھی صدی بیت گئی ہوگی۔ اس عرصے میں انھوں نے نہ معلوم کتنی نظمیں اور کتنی غزلیں کہی ہوں گی۔ جس طرح کہانی لکھنے یا مضمون لکھنے کے لیے بڑی محنت کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح شاعری بھی دماغی محنت چاہتی ہے۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ شاعری کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ نہیں بھئی، بہت مشکل کام ہے، اسی لیے اچھا اور بڑا شاعر آسانی سے پیدا نہیں ہوتا۔

قمر صاحب کی طبیعت میں خلوص تھا، محبت تھی، سچ پوچھو تو محبت ہی ان کی سب سے بڑی خصوصیت تھی۔ کس سے محبت؟ انسان سے محبت۔ اسی محبت نے ان سے بڑوں کے لیے بھی شاعری کرائی اور نونہالوں کے لیے بھی۔ وہ پاکستان بننے سے پہلے سے شاعری کر رہے تھے۔

نونہالوں کے لیے شاعری انھوں نے میرے کہنے پر، میری درخواست پر شروع کی تھی اور پھر شروع کی تو خوب کی۔ بہت ساری نظمیں لکھیں۔ نونہال ان کی نظمیں ہمدرد نونہال میں پڑھتے ہی رہتے ہیں۔ شروع شروع میں تو قمر صاحب نے نونہالوں کی نظمیں ذرا کم کہیں، لیکن پچھلے دس پندرہ سال سے رفتار بڑھ گئی تھی اور انھوں نے بڑی پیاری پیاری، خوب صورت اور جان دار نظمیں لکھیں۔ ان کی آخری نظم خاص نمبر (جون ۹۳ء) میں ''سب کچھ ہے'' کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔

ہمدرد نونہال میں دوسرے شعرا کی جو نظمیں شائع ہوتی ہیں وہ بھی ہم قمر ہاشمی صاحب کو دکھا لیا کرتے تھے اور ان کے مشورے کے مطابق عمل کرتے تھے۔ قمر صاحب

بچوں کی نظموں کی اصلاح بھی کر کے ہمیں دیتے تھے۔ اس طرح وہ نونہالوں کے بھی کام آتے تھے اور ہماری مدد بھی کرتے تھے۔

بڑوں کے لیے قمر صاحب کی کئی کتابیں شائع ہونے کے لیے رکھی ہیں۔ پانچ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں ایک کتاب "مُرسَلِ آخر" ہے۔ یہ کتاب ایک طویل نعت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جو نظم کہی جاتی ہے، وہ نعت کہلاتی ہے۔ ہماری زبان اردو میں ہزاروں نعتیں کہی گئی ہیں۔ ان میں بہت عمدہ اور اعلا درجے کی نعتیں بھی ہیں۔ قمر صاحب کی یہ نعت بہت لمبی ہے۔ کسی زبان میں بھی اتنی لمبی نعتیہ نظم اب تک نہیں لکھی گئی۔ یہ شرف سید قمر ہاشمی کو حاصل ہوا۔

جناب سید محمد اسماعیل قمر ہاشمی ۱۹۵۲ء سے ہمدرد وقف سے وابستہ تھے۔ اب وہ کئی سال سے خبر نامہ ہمدرد مرتب کر رہے تھے۔ کچھ عرصے سے بیمار تھے۔ ۱۶- جون کو بلاوا آ گیا۔ انھوں نے لبیک کہا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے۔

مقبول شاعر جناب تنویر پھول بھی ہمدرد نونہال میں اکثر نظمیں لکھتے رہتے ہیں۔ انھوں نے قمر ہاشمی صاحب کے انتقال پر دو شعروں کا ایک قطعہ لکھا ہے۔ آخری مصرع سے قمر صاحب کا سنہ وفات نکلتا ہے۔ آپ بھی قطعہ پڑھیے:

نیک خصلت تھے ہاشمی صاحب
ان پہ رحمت خدا کی بے حد ہو
ہے دعا پھولؔ کی یہی ہر دم
رشکِ باغِ جناں وہ مرقد ہو

پاکستان کے ادیبوں اور شاعروں کو اپنے ایک مخلص ساتھی کی جدائی پر سخت صدمہ ہوا۔

(یہ مضمون ہمدرد نونہال اگست ۱۹۹۳ء میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔)

بہن ہو تو ایسی

محمد ذوالقرنین خان

اپنی والدہ کی آواز سن کر وہ بستر میں تھوڑا سا کسمسایا، پھر کمبل منھ پر ڈال لیا اور دوبارہ نیند کی وادی میں اُتر گیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ جیسے بھونچال سا آ گیا ہو، وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ اس کی چھوٹی بہن آنسہ اسے جھنجوڑ رہی تھی۔

''اُٹھ جائیں بھیا جی! روزانہ آپ کی وجہ سے مجھے دیر ہو جاتی ہے۔ آپ کو تو اپنی عزت کا کوئی خیال نہیں ہے، مجھ سے روز روز کی بے عزتی برداشت نہیں ہوتی۔'' آنسہ منھ بسورتے ہوئے کہے جا رہی تھی۔ حمزہ نے حیرت سے اپنی بہن کو دیکھا جو دس سال کی عمر میں عزت بے عزتی کی باتیں کرنے لگی ہے۔

''اُٹھ رہا ہوں گڑیا! ابھی بہت وقت پڑا ہے۔'' حمزہ نے دوبارہ کمبل اوڑھتے ہوئے آنسہ کو ٹالنا چاہا، مگر وہ نہ ٹلی اور اس نے اس مرتبہ پورا کمبل حمزہ کے اوپر سے کھینچ لیا۔ حمزہ نے اسے تکیہ کھینچ کر مارا، مگر اتنی دیر میں وہ کمرے سے بھاگ چکی تھی۔ جب سے آنسہ اس کے اسکول میں داخل ہوئی تھی۔ اس کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ اسکول کے وقت سے صرف پندرہ منٹ پہلے اُٹھنے کا عادی تھا۔ چاے کا ایک کپ پی کر خراماں خراماں وہ اسکول جا پہنچتا، جہاں اسمبلی ہو چکی ہوتی۔ بڑے کرّ و فر کے ساتھ اسکول میں داخل ہوتا، کچھ سزا بھگت کر، کبھی جرمانہ ادا کر کے وہ گردن اکڑا کر کلاس کا رخ کرتا تھا۔ اپنے دوستوں میں اس کا بڑا رُعب تھا کہ وہ کبھی وقت پر اسکول نہیں آتا تھا اور جرمانے یا سزا کی رتی بھر پروا نہ کرتا۔

آٹھویں کلاس میں پورا سال اس نے ایسے ہی گزارا۔ پڑھائی بھی وہ اتنی ہی کرتا کہ پاس ہو جائے۔ اسکول کی چھٹی دو بجے ہوتی۔ تین بجے گھر پہنچتا، والدہ کی پوچھ گچھ سے بچنے کے لیے بہانوں کی فصل اس کے ذہن میں تیار ہوتی رہتی، دماغ کا ایک بڑا حصّہ اس نے اسی کام کے لیے الگ کر رکھا تھا۔ ٹیوشن کے لیے ہفتے میں ۳، ۴ دن نکال پاتا اور پندرہ منٹ کا راستہ وہ ایک گھنٹے میں طے کرتا۔ دوستی نبھانے کا ہنر خوب جانتا تھا۔ راستے میں جتنے دوستوں کے گھر آتے، سب کا حال احوال دریافت کر کے آگے بڑھتا۔ والدہ کا لاڈلا تھا۔ والد صحافی تھے، ان کے کام کی نوعیت ایسی تھی کہ وہ اس پر زیادہ نظر نہیں رکھ سکتے تھے۔ جہاں کہیں نظروں میں آنے کا اندیشہ ہوتا، ماں ڈھال بن جاتیں، زندگی میں سکھ ہی سکھ تھا۔

آنسہ کو گھر کے پاس موجود اسکول سے نکال کر حمزہ کے اسکول میں داخل کروا دیا گیا، پھر جب وہ ٹیوشن سینٹر بھی اس کے ہمراہ جانے لگی تو حمزہ کی آزادی ختم ہو کر رہ گئی۔ آنسہ کی موجودگی میں پنجرے میں قید پرندے کی طرح وہ پھڑ پھڑا تو سکتا تھا، مگر اِدھر اُدھر اُڑ نہیں سکتا تھا۔ آنسہ اسکول لگنے سے ایک گھنٹہ پہلے ہی آ دھمکتی اور تب تک نہ ٹلتی، جب تک وہ اُٹھ نہ جاتا۔ اسمبلی سے غیر حاضری کا ریکارڈ بُری طرح متاثر ہونے لگا تھا، مگر وہ مجبور تھا۔ ایک منٹ دیر ہونے پر بھی آنسہ واویلا کرنے لگتی۔ پہلے وہ کبھی کبھار ہی ہوم ورک مکمل کرنے کی زحمت کرتا۔ دھوپ میں اُٹھک بیٹھک کرنا اسے بالکل دشوار نہ لگتا۔ کلاس سے باہر کان پکڑ کر گھٹنوں کے بل بیٹھنے میں اسے کوئی مشکل پیش نہیں آتی، مگر جب سے یہ چغل خور آنسہ اسکول میں داخل ہوئی تھی۔

اسکول کی ساری باتیں تواتر سے گھر جانے لگی تھیں ۔ ہر چھوٹی سی چھوٹی بات کی اطلاع دادا جان تک جانے لگی تھی ۔ دنیا میں وہ کسی سے ڈرتا تھا تو وہ اس کے دادا جان تھے ۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اسے جھڑکا گیا، اس کا جیب خرچ بند ہوا، پھر یہ سلسلہ چل پڑا، کیوں کہ اب وہ دادا جان کی نظروں میں آچکا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنا ہوم ورک مکمل کرنے لگا ۔ اسکول کے بعد وہ گھر بھی جلدی پہنچ جاتا، ٹیوشن میں باقاعدگی آگئی تھی ۔ دوست سب چھوٹ گئے تھے ۔ آنسہ نے گھر میں بتادیا تھا کہ سب دوست نکمے ہیں اور بعض تو سگرٹ تک پیتے ہیں ۔ دادا جان نے یہ سنتے ہی دوستوں سے ملنے پر پابندی عائد کردی اور تنبیہ کی کہ اگر اس نے بات نہ مانی تو وہ اس کا ذرا بھی لحاظ نہیں کریں گے ۔ اسکول سے ہٹا کر اسے کسی گیراج میں گاڑیوں کا کام سیکھنے پر لگا دیں

گے۔ وہ آنسہ سے ناراض رہنے لگا تھا۔ ہر وقت کاپیوں کے انبار تلے دبا رہنا پڑتا تھا۔ زندگی سے تفریح ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی زندگی ایک ایسے ڈگر پر چلی جا رہی تھی، جہاں صرف اُکتاہٹ کا راج تھا۔ خوشی کا دور دور تک جہاں کوئی نشاں نہ ملتا تھا، اچانک وہ ہو گیا، جس کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

ایک دن پرنسپل کے آفس میں آنسہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس پر چوری کا الزام تھا۔ اس سے مسلسل سوالات کیے جا رہے تھے، جن کا جواب خاموشی میں تھا۔ آنسہ جیسی بچی چوری بھی کر سکتی ہے! کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی۔ ریاضی کی ٹیچر کا موبائل اس کے بستے میں پایا گیا تھا۔ یہ بات بھی پیش نظر تھی کہ کسی اور نے وہاں نہ رکھا ہو، مگر چوں کہ بات پھیل گئی تھی۔ اسکول کے نظم و ضبط کو

برقرار رکھنے کے لیے اسے اسکول سے خارج کرنا پڑا۔ اب حمزہ آزاد ہو چکا تھا۔ آنسہ اب اس کی شکایتیں نہیں لگا سکتی تھی، مگر حمزہ خوش نہیں تھا۔ آنسہ کا اُداس چہرہ اس سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔ ہنسنا تو جیسے بھول ہی گئی تھی۔ حمزہ بہت کوشش کرتا، اس سے باتیں کرنے کی اسے ہنسانے کی، مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ حمزہ کا اب کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا۔ ہر وقت وہ یہی سوچتا رہتا کہ کیسے وہ اپنی بہن کی مسکراہٹیں واپس لے آئے۔

اس دن جب بے چینی بہت بڑھ گئی تو وہ نماز کے لیے کھڑا ہو گیا، جب وہ اُٹھا تو ایک نیا عزم اس کے اندر بیدار ہو چکا تھا۔ آنسہ کو وہ ایک ہی طریقے سے خوش کر سکتا تھا۔

......☆......

اسکول میں سالانہ تقسیم انعامات کی تقریب تھی۔ پرنسپل کے کہنے پر ایک استاد حمزہ کے والدین سے ملے اور انھیں تقریب میں شرکت کی دعوت دی اور آنسہ کو بھی ساتھ لانے کی خصوصی طور پر درخواست کی۔ تقریب کا آغاز ہو چکا تھا۔ رزلٹ کا اعلان کیا جانے لگا، حمزہ کا نام سب سے آخر میں لیا گیا۔ اس کے والدین کی حیرت کی انتہا نہ رہی، کیوں کہ سب سے آخر میں اول پوزیشن کا اعلان کیا جاتا تھا۔ حمزہ نے نہ صرف اول پوزیشن حاصل کی تھی، بلکہ سال کے بہترین طالب علم کا اعزاز بھی اسی نے حاصل کر لیا تھا۔ اسکول کی طرف سے بورڈ کے امتحان میں اس سے بہت سی توقعات وابستہ کی گئی تھیں۔ جب وہ اپنی نشست سے اُٹھا تو سب لوگ اسے گردنیں موڑ موڑ کر دیکھ رہے تھے۔ سب ہی حیرت زدہ تھے۔

خصوصی طور پر اسٹیج سیکرٹری نے اسے اپنی کام یابی کا راز بتانے کے لیے مدعو کیا۔

کافی دیر بولنے کے بعد جب حمزہ نے بات ختم کی تو اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ اس کی بات سن کر پورے ہال میں سناٹا چھا گیا۔ اس کی کام یابی کے پیچھے جس کا ہاتھ تھا۔ وہ تو اسے اپنی دشمن سمجھتا تھا۔ حمزہ ہی نے ساری دنیا کے سامنے آنسہ کو چور بنا دیا تھا۔ اس کا تعلیمی سال برباد کر دیا تھا۔ حمزہ ہی نے وہ موبائل آنسہ کے بستے میں رکھا تھا۔ ان سب غلطیوں کا اعتراف کرنے کے بعد حمزہ رنجیدہ، خاموش کھڑا تھا۔ اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ آنسہ اس بات سے پہلے ہی واقف تھی۔ اس کی ایک سہیلی نے اسے بتایا تھا کہ حمزہ آدھی چھٹی میں ان کی کلاس میں گیا تھا۔ جب موبائل برآمد ہوا، تب ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا یہ کس نے اور کیوں کیا ہے؟ اس نے یہ گوارا نہیں کیا کہ اس کے بھائی کی بے عزتی ہو اور اسکول سے نکال باہر کیا جائے، اس کے والد اسے گیراج بھیج دیں۔ وہ چھوٹی تھی، مگر سمجھ دار تھی۔ اس نے خاموشی سے سب برداشت کر لیا۔ بدلے میں صرف اتنا چاہا کہ اس کا بھائی دل لگا کر پڑھے۔ آنسہ کو اسٹیج پر بلایا گیا۔ سب لوگ اس کے اعزاز میں کھڑے ہو چکے تھے۔ ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ ☆

ای-میل کے ذریعے سے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تاکہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔

hfp@hamdardfoundation.org

سوتیلی امی

ہاجرہ ریحان

اس دفعہ گرمیوں کی چھٹیاں بڑی مشکلوں سے گزر رہی تھیں۔ میری تمام ہی سہیلیاں کہیں نہ کہیں گھومنے چلی گئی تھیں۔ پہلا ہفتہ تو ہوم ورک کر کے نکال لیا۔ اس کے بعد بس اپنے پالتو جانوروں میں ہی لگی رہی۔ ایک دن مجھے بخار ہو گیا تو دوا لینے محلے کے کلینک میں گئی۔ وہاں مجھے شوخ و چنچل اور ہنس مکھ شیریں نظر آ گئی۔ کلینک میں ہجوم بہت تھا۔ شیریں نے مجھے کھڑا دیکھا تو اپنے اور اپنے ساتھ آئی ہوئی ایک لاغر سی خاتون کے درمیان تھوڑی سی جگہ بنا کر مجھے وہاں بٹھا لیا۔ وہ گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے آئی ہوئی تھی۔ وہ مری کے کسی مشہور اسکول میں پڑھتی تھی۔ میں بڑی متاثر ہوئی۔ ان کے ساتھ آئی ہوئی

خاتون کی باری آئی تو وہ دیوار کا سہارا لیتی ہوئی ڈاکٹر کے کمرے میں چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی شیریں نے مجھ سے کہا: ''دیکھو ذرا، کیسا بَن بَن کر جا رہی ہیں!''

میں اب تک خاتون کو بہت بیمار سمجھ رہی تھی، چونک کر شیریں کی طرف دیکھا۔

شیریں نے میری حیرانی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا: ''وہ میری سوتیلی اماں ہیں اور بہت ظالم ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے مجھے اتنی دور اسکول میں ڈالا گیا ہے۔''

شیریں نے اور بھی ایسی باتیں بتائیں کہ میں ڈر کر سہم گئی۔ واپسی کے پورے راستے میں اپنی امی کی زندگی کی دعائیں مانگتی رہی اور اتنی جذباتی ہو گئی کہ گھر پہنچتے ہی امی جو کہ باورچی خانے میں روٹیاں پکا رہی تھیں، ان کو پیچھے سے خوب زور سے بھینچ لیا۔

''امی! میں کل شیریں سے ملنے چلی جاؤں؟'' میں نے ہلکے سے پوچھا تو امی نے

مجھے غور سے دیکھا، پھر مجھے دو چار ہدایات دیں، جیسے کہ اکثر وہ مجھے کسی کے پاس جانے سے پہلے دیا کرتی تھیں اور میں خوش ہوگئی۔ رات بھر مجھے شیریں کا افسوس رہا کہ بے چاری سوتیلی امی کی ستائی ہوئی کیسی مشکل میں زندگی گزار رہی ہوگی۔

اگلے دن گھر پر جا کر بیل بجا کر خاموشی سے کسی کے دروازے پر آنے کا انتظار کرنے لگی۔ مجھے محسوس ہوا کہ کوئی گھر کی چھت سے مجھے دبی دبی سی آواز دے رہا ہے۔ منھ اوپر اُٹھا کر دیکھا تو شیریں تھی۔ اس نے مجھے دبی آواز میں کہا کہ میں خوب زور زور سے دروازہ بجاؤں اور جب تک دروازہ نہ کھلے، دروازہ پیٹتی رہوں۔ پہلے تو عجیب لگا، مگر پھر دروازہ پیٹنے کے لیے میں نے ایک پتھر لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کی سوتیلی امی گرتی پڑتی آ گئیں: ''یا اللہ خیر، کیا ہوا بچے؟''

انھوں نے دروازہ کھولتے ہی مجھ سے پوچھا۔ تکلیف کے آثار ان کے چہرے پر نمایاں تھے۔ اتنے میں پیچھے سے شیریں بھی آ گئی اور مجھے گھر کے اندر لے گئی۔

''صبح سے آرام فرما رہی ہیں۔'' شیریں نے تنک کر مجھے بتایا: ''اب دروازے پر تم نے شور مچایا تو اُٹھنا پڑا محترمہ کو۔''

مجھے تھوڑا دکھ بھی ہوا۔ وہ خاتون کافی بیمار لگ رہی تھیں۔ میں نے دل میں سوچا، مگر ہمت نہ ہوسکی کہ شیریں سے کچھ کہتی۔ دل خراب ہو گیا تھا، لہٰذا میں تھوڑی دیر میں جانے کا ارادہ کرنے لگی کہ دیکھا، سوتیلی امی ایک تھال میں خوب سارے پاپڑ اور بسکٹ لے آئیں: ''یہ لو بچو! کھالو۔''

انھوں نے میز پر جھک کر تھال رکھا اور پھر کمر پر ہاتھ رکھ کر ایک ہلکی سی آہ کے

چھوٹ جائے۔''

میں نے بھی دل سے آمین کہا۔

گھر آکر میں شیریں اور اس کی سوتیلی امی کے بارے میں ہی سوچتی رہی۔ پہلے ایمبولنس سروس تو ہوتی نہیں تھی، کوئی بیمار پڑ جاتا تو لوگ ایک دوسرے کا سہارا لے کر بیمار کو اسپتال لے کر جاتے تھے۔ رات کے کوئی بارہ بجے ہمارا دروازہ بجا۔ اس وقت بڑے بھائی اور امی جاگ رہے تھے اور باقی گھر والے سو چکے تھے۔ میں اپنے انک والے پین دھو رہی تھی۔ دروازے پر شیریں کے ابا تھے۔ انھوں نے امی اور بڑے بھائی سے گزارش کی کہ ان کی بیوی کی طبیعت کافی خراب ہے، اسپتال لے کر جانا ہے۔ امی چھوٹی پھوپی کو اُٹھا کر تمام حالات بتا کر بڑے بھائی کو لے کر چلی گئیں۔ میں بے چین سی اِدھر اُدھر ٹہلتی رہی۔ دل چاہ رہا تھا کہ اُڑ کر شیریں کے پاس پہنچ جاؤں۔ رات کافی ہوگئی۔ امی اور بڑے بھائی نہ آئے۔ میں نہ جانے کب سوگئی۔ صبح دیکھا تو امی حسب معمول ناشتا بنا رہی تھیں۔ میں نے جلدی سے حالات کا پوچھا۔ امی نے ناشتے کے بعد بات کرنے کا کہا۔ جب سب ناشتے سے فارغ ہوگئے تو امی نے مجھے باورچی خانے میں بلا لیا۔ میں ڈری سہمی سی پہنچی۔ امی نے مجھے غور سے دیکھا اور پوچھا کہ مجھے سوتیلی امی کے بارے میں کیا کیا پتا ہے۔ میں نے وہ تمام باتیں جو شیریں نے مجھے بتائی تھیں، بتا دیں۔ امی خاموشی سے سنتی رہیں اور پھر انھوں نے مجھے بتایا کہ شیریں کی سوتیلی امی جو بہت بیمار تھیں، کل شام کسی نہ کسی طرح وہ اُٹھ کر واش روم گئیں تو شیریں نے واش روم کا دروازہ باہر سے بند کر دیا اور سوتیلی امی پہلے تو دروازہ پیٹتی رہیں اور پھر نقاہت سے بے ہوش ہوگئیں۔

شیریں کے ابا جب رات گئے آفس سے آئے تو ان کو پتا چلا۔ جس کے بعد ان کو اسپتال لے جایا گیا اور پھر......

میں گھبرا گئی۔ اپنی مانگی ہوئی دعا بھی یاد آ گئی اور دل کو ایک دھچکا لگا کہ یہ تو میں نے سوتیلی امی کے ساتھ زیادتی کر دی۔

''کیا سوتیلی امی مر گئیں؟'' میں نے جلدی سے پوچھا۔

امی نے مجھے اب کی بار نرمی سے دیکھا: ''نہیں، مگر وہ بہت بیمار ہو گئی ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ ان کو بہت زیادہ آرام کی ضرورت ہے۔'' امی نے دکھ سے کہا اور پھر افسوس سے سر ہلانے لگیں:

''وہ لڑکی...... سارا محلہ جانتا ہے کہ کتنی آفت کی پرکالہ ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ گھر سے دوری کی وجہ سے اس کو کچھ عقل آ گئی ہوگی، مگر تم اب اس سے ملنے نہیں جاؤ گی۔''

پہلی دفعہ مجھے اپنی دعا کے قبول نہ ہونے پر بہت خوشی ہوئی۔ شام کو بڑے بھائی نے امی کو آ کر بتایا کہ سوتیلی امی گھر واپس آ گئی ہیں اور انکل نے چند دن کی چھٹی لے لی ہے۔ میں نے وہ رات بڑی مشکل سے گزاری۔ صبح امی سے بازار سے کوئی چیز خریدنے کا بہانہ کر کے شیریں کے ہاں چل پڑی۔

میں نے بازار سے ایک خوب صورت سا پھولوں کا گلدستہ لیا۔ گھر کا دروازہ شیریں کے ہاں کام کرنے والے خادم نے کھولا۔ میں اب چوں کہ گھر سے واقف تھی تو فوراً اندر داخل ہو گئی۔

لاؤنج میں ہلکی آواز میں ٹی وی چل رہا تھا۔ دائیں طرف شیریں چھوٹے سوفے

پر بیٹھی کوئی میگزین پڑھ رہی تھی۔ جب کہ اس کے ابا کھانے کی میز پر اخبار پھیلائے بیٹھے تھے۔ بیچ میں جو بڑا سوفا تھا، اس پر سوتیلی امی کمبل لپیٹے، آنکھیں موندے لیٹی ہوئی تھیں۔ شیریں نے چہک کر میرے سلام کا جواب دیا تو سوتیلی امی نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا۔ وہ کافی کم زور لگ رہی تھیں، مگر پھر بھی مسکرا دیں اور مجھے اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔

شیریں نے اُچک کر مجھ سے گلدستہ لینا چاہا: ''واہ، کتنے خوب صورت اور تازہ پھول ہیں۔ میرے لیے لائی ہونا؟''

شیریں نے بہت اِترا کر مجھ سے پوچھا تھا، میں اس کی پہنچ سے دور ہو چکی تھی۔ میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تو پھر؟'' شیریں نے جھینپتے ہوئے پوچھا۔

میں اب تک سوتیلی امی کے سرہانے پہنچ چکی تھی۔ ان کو گلدستہ پکڑاتے ہوئے سکون سے کہا: ''یہ میں اس سوتیلی امی کے لیے لائی ہوں جو استقامت اور صبر کا پیکر ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد میں شیریں کے ابا سے خیریت معلوم کر کے شیریں کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گئی۔ ☆

آؤ بنائیں بُلبُلے

ادیب سمیع چمن اکبر آبادی

آؤ بنائیں بُلبُلے آؤ بنائیں بُلبُلے
کچھ چُلبُلے ، کچھ پُلپُلے برسوں کے ہیں سلسلے

آؤ بنائیں بُلبُلے
آؤ بنائیں بُلبُلے

پانی میں صابن گھول کر دونوں کو باہم تول کر
نلکی سے پھونکیں ماریے ہمت نہ اپنی ہاریے
پانی کے ہیں یہ گُل گُلے کچھ چُلبُلے ، کچھ پُلپُلے

آؤ بنائیں بُلبُلے
آؤ بنائیں بُلبُلے

صابن کے موتی بَن گئے بن کر فضا میں تن گئے
ہاتھوں میں آسکتے نہیں پکڑیں تو پاسکتے نہیں
کیسی خوشی ان سے ملے برسوں کے ہیں سلسلے

آؤ بنائیں بُلبُلے
آؤ بنائیں بُلبُلے

معلومات ہی معلومات

غلام حسین میمن

☆ صحاحِ ستّہ سے مراد حدیث کی چھے مستند کتابیں ہیں۔ ان میں صحیح بُخاری، صحیح مُسلِم، سُنَنِ نِسائی، سُنَنِ اِبنِ ماجہ، سُنَنِ ابوداؤد اور جامع تِرمِذی شامل ہیں۔ ہر حدیث میں راوی کی سند کے ساتھ آخر میں اس کتاب کا حوالہ بھی موجود ہے۔

اسی طرح اگر کسی حدیث کے آخر میں ''صحیحین'' لکھا ہو تو اس سے مراد ہے کہ یہ حدیث صحیح بُخاری اور صحیح مُسلم، دونوں میں موجود ہے۔

☆ خُلَفائے راشِدین کی تعداد چار ہے۔ اتفاق دیکھیے کہ ان میں دو خلیفہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور دو سُسر تھے۔ آپؐ کی صاحبزادیاں حضرت رُقیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک کے بعد دوسری حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ، حضرت فاطمۃ الزّہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ، اُمِ المومنین حضرت حَفْصَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی تھیں، جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد حضرت ابوبکر صِدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

☆ صوبۂ سندھ کے قدیم شہر ٹھٹّہ میں مُغلیہ دور کی ایک شان دار مسجد ''شاہجہانی مسجد'' موجود ہے۔ اسے مُغل بادشاہ شاہجہاں نے ۱۶۴۷ء میں تعمیر کرایا تھا۔ مسجد میں کاشی کاری کے نمونے قابلِ دید ہیں۔ تین بڑے گنبدوں والی اس مسجد کے دالانِ خاص کے محرابی

دروازے پر قرآنِ پاک کی آیات کی خطاطی دل کش انداز میں کی گئی ہے۔

اسی طرح مُغل دور کی دوسری بڑی یادگار مسجد ''بادشاہی مسجد'' اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں ۱۶۷۴ء میں تعمیر کی گئی، جو لاہور میں شاہی قلعے کے سامنے واقع ہے۔ اس مسجد میں آج بھی لاکھوں کی تعداد میں مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ اس کے چار مینار ہیں، جن میں ہر ایک کی بلندی ۱۷۶ فیٹ ہے۔ ہر مینار میں ۲۰۴ سیڑھیاں ہیں۔ مسجد کے صدر دروازے کے ساتھ ہی کمروں میں قرآنِ پاک کے نادر نمونے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی نایاب چیزیں موجود ہیں۔

☆ ولیم شیکسپیئر، انگریزی زبان کا مشہور شاعر اور ڈراما نگار گزرا ہے، جو ۱۵۶۴ء میں برطانیہ میں پیدا ہوا۔ محض ۵۲ سال کی عمر تک اس نے ڈراموں اور شاعری کا وہ عظیم ذخیرہ تخلیق کیا، جس پر آج بھی برطانوی ادب کو ناز ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ دنیا ایک اسٹیج ہے، جہاں ہر شخص آتا ہے اور اپنا کردار ادا کر کے چلا جاتا ہے۔ ۱۶۱۶ء میں وہ بھی اس دنیا سے چلا گیا۔

برِ صغیر کا شیکسپیئر، آغا حشر کاشمیری کو کہا جاتا ہے۔ وہ ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ وہ شاعر اور ڈراما نگار تھے۔ ان کے ڈرامے اسٹیج پر بھی پیش کیے گئے۔ انھوں نے ولیم شیکسپیئر کے کئی ڈراموں کا ترجمہ کیا۔ ان کی اردو نظم ''شکریہ یورپ'' کلاسک کا درجہ رکھتی ہے۔ ان کا انتقال ۱۹۳۵ء میں لاہور میں ہوا۔

☆ ابو جعفر محمد بن موسیٰ الخوارزمی کا شمار عظیم مسلمان سائنس دانوں میں ہوتا ہے۔ وہ خوارزم میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے قائم کردہ ''بیت الحکمہ''

میں ملازمت اختیار کی۔ انھوں نے علمِ ریاضی پر اہم کتاب ''الجبر و مقابلہ'' لکھی، جسے جدید الجبرا کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ ان کا انتقال غالباً ۸۵۰ء میں ہوا۔

اسی طرح ''جبر و مقابلہ'' کے نام سے ایک اور کتاب ماہرِ فلکیات اور فارسی شاعر عمر خیّام نے بھی لکھی۔ وہ ۱۰۳۹ء میں نیشا پور میں پیدا ہوئے۔ نیشا پور ایران کے صوبے خراسان کا ایک شہر ہے۔ ان کا پورا نام حکیم ابوالفتح عمر خیام تھا۔ ان کے والد خیمے سیتے تھے، اس لیے وہ بھی ''خیّام'' کہلائے۔ ان کی فارسی شاعری کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ ۱۱۳۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی آخری آرام گاہ نیشا پور میں ہے۔

☆ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل قائدِ اعظم محمد علی جناح تھے، جو ۱۵- اگست ۱۹۴۷ء (قیامِ پاکستان کے اگلے روز) سے اپنی وفات ۱۱- ستمبر ۱۹۴۸ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے چیف اسکاؤٹس بھی رہے۔

☆ پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم لیاقت علی خاں تھے، جو ۱۵- اگست ۱۹۴۷ء سے اپنی شہادت ۱۶- اکتوبر ۱۹۵۱ء تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ وہ پاکستان کے پہلے وزیرِ دفاع بھی تھے۔

☆ جامعہ عثمانیہ (حیدر آباد دکن) کو بلاشبہ برصغیر کی پہلی یونی ورسٹی ہونے کا اعزاز حاصل ہے، جہاں اردو زبان میں تمام علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اسے ۱۹۱۷ء میں نظام حیدر آباد دکن میر عثمان علی خاں نے قائم کیا تھا۔

☆ پاکستان میں اردو زبان میں تعلیم کے لیے کراچی میں وفاقی اردو کالج قائم کیا گیا، جسے اب یونی ورسٹی کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

☆

عقل مند چڑیا

نظارت نصر

اس جنگل میں خدا نے بڑی فراوانی سے سبزہ اُگایا ہوا تھا۔ جنگل کے بیچوں بیچ ایک خوب صورت ندی بہتی تھی۔ ندی کے آس پاس کا علاقہ گھاس اور پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ جنگل کا یہ حصہ بہت خوب صورت تھا۔ اسی ندی کے کنارے ایک بڑے سے پیپل کے درخت پر ایک سنہرے پَروں والی چڑیا کا گھونسلا بھی تھا۔

ننھی چڑیا بہت خوب صورت تھی۔ اس کی میٹھی بولی اور خوب صورت پَروں کی وجہ سے ارد گرد درختوں پر رہنے والے بہت سے ننھے منے جانور اس کے دوست بن گئے تھے۔ صبح کے وقت یہ ننھی چڑیا پیپل کے پیڑ کی کسی شاخ پر بیٹھ کر اپنی میٹھی آواز میں چہچہاتی تو سب جانور خاموشی سے اسے سنتے تھے۔ ساتھ والے شیشم کے درخت کے نیچے بل بنا کر رہنے والے چھوٹے سے سفید خرگوش نے اوپر منھ اُٹھا کر کہا: ''بی چڑیا! تمھاری آواز بہت اچھی ہے۔ میں ہر صبح خوراک کی تلاش میں نکلنے سے پہلے تمھاری آواز سننا پسند کرتا ہوں۔''

چڑیا نے سر جھکایا اور بولی: ''شکریہ بھائی خرگوش! میں ہر صبح تمھارے لیے گیت ضرور گایا کروں گی۔''

خرگوش نے خوشی سے اپنے بڑے بڑے کان ہلائے اور لمبی لمبی نرم گھاس میں لوٹنے لگا۔ درخت کی کھوہ میں سے جھانکتی گلہری بھی گیت ختم ہونے پر واپس اندر چلی گئی۔

جیسے ہی سورج ذرا بلند ہوا، چڑیا اپنے گھونسلے کو چھوڑ کر اُڑ گئی۔ اسے اپنے لیے دانہ تلاش کرنا اور جلد ہی واپس بھی آنا تھا، کیوں کہ گھونسلے میں اس کے دو خوب صورت سنہرے انڈے تھے اور چڑیا کو ان کی حفاظت بھی کرنا ہوتی تھی۔ بس کچھ دنوں کی بات تھی، پھر چڑیا

کے گھونسلے میں ننھے منے بچے نکل آتے۔ چڑیا کو اس دن کا شدت سے انتظار تھا، جب روئی جیسے نرم و نازک بچوں کی چہکاروں سے اس کا گھونسلا گونجنے لگتا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ دانہ دُنکا چگ کر واپس لوٹ آئی اور انڈوں کو درست کر کے ان پر بیٹھ گئی۔ اگر کبھی کبھی چڑیا بہت خوش ہوتی تو گھونسلے میں بیٹھے بیٹھے بھی گانے لگتی تھی۔

اس وقت بھی وہ ایک گیت گا رہی تھی، جب اس کی نظر پیپل کی جڑ پر پڑی۔ چڑیا کی آواز بند ہو گئی۔ وہ فکر مندی سے بولی: ''اتنا بڑا دشمن! میرے تو بچے بھی انڈوں سے نکلنے والے ہیں۔''

نیچے درخت کی جڑ میں ایک بہت لمبا سانپ کُنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ ننھی چڑیا نے اس سے پہلے اتنا بڑا اور خوف ناک سانپ نہیں دیکھا تھا۔

مجھے اس سے بچاؤ کی کوئی تدبیر سوچنی چاہیے، ورنہ یہ میرے بچوں کو نقصان پہنچائے گا۔ چڑیا نے پریشانی سے سوچتے ہوئے سانپ کو دیکھا۔

سانپ آہستہ آہستہ خرگوش کے بل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ بل کے اندر داخل ہو گیا۔

''یہ خرگوش کے گھر پر قبضہ کر لے گا۔ بے چارہ خرگوش اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اگر اس نے یہاں رہنا شروع کر دیا تو پھر آس پاس تو کوئی محفوظ نہیں رہ سکے گا۔'' چڑیا نے کہا۔

اسی وقت چڑیا کے گھونسلے کے پاس کھٹکا ہوا اور ہراساں گلہری نے سر آگے کر کے کہا: ''بی چڑیا! اب تو ہم غیر محفوظ ہو گئے۔ میں تو اپنی جان بچا کر کہیں اور جا رہی ہوں۔ یہاں رہنا تو موت کو گلے لگانے کے برابر ہے۔''

چڑیا نے سوچتی نظروں سے اسے دیکھا اور بولی: ''بی گلہری! کیا اب ہم دشمن کے

خوف سے اپنے گھر چھوڑ دیں؟ ہمیں متحد ہو کر اس دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔''

گلہری نے حیرت سے چڑیا کو دیکھا: ''لو، بھلا ہم اتنی ننھی منی جانیں اس کا کیا بگاڑ سکتی ہیں! تم نے شاید اسے دیکھا نہیں، جو اس طرح کی بات کر رہی ہو۔''

چڑیا بولی: ''بہن گلہری! میں اسے دیکھ چکی ہوں، مگر میں تمھاری طرح گھر چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ کچھ ہی دنوں میں میرے بچے انڈوں سے نکلنے والے ہیں۔ مجھے اس سے پہلے ہی اس دشمن سے چھٹکارے کی کوئی ترکیب کرنا ہوگی، ورنہ یہ میرے بچوں کو کھا جائے گا۔''

گلہری نے کہا: ''تم اتنی چھوٹی سی ہو، پھر بھی بہادری سے بات کر رہی ہو۔ میں بھی تمھارا ساتھ دوں گی، لیکن ہم اسے کیسے مار سکتے ہیں؟''

چڑیا خوش ہوگئی اور بولی: ''بس ہمت کی ضرورت ہے۔ آؤ، بھائی خرگوش کو تلاش کریں اور پھر مل کر اس دشمن کا خاتمہ کر دیں، ترکیب میں نے سوچ لی ہے۔''

دونوں چپکے سے وہاں سے خرگوش کی تلاش میں نکل گئیں۔ کچھ ہی دور وہ ندی کے کنارے چھاؤں میں سویا ہوا تھا۔ گلہری نے اسے جگایا۔

اوفوہ، بی گلہری! تم نے میری اتنی اچھی نیند خراب کر دی۔'' خرگوش خفگی سے بولا۔

چڑیا اس کے پاس جا بیٹھی: ''بھائی خرگوش! تم یہاں مزے سے سو رہے ہو اور وہاں ایک بڑے سانپ نے تمھارے گھر پر قبضہ کر لیا ہے اور عنقریب وہ ہم سب کو کھا جائے گا۔''

چڑیا کی بات سن کر خرگوش پریشان ہو گیا۔ چڑیا نے اسے تسلی دی اور بولی: ''تم فکر مت کرو۔ میں جانتی ہوں کہ اگر سانپ زخمی ہو تو چیونٹیاں اسے مار ڈالتی ہیں یا وہ خود ہی

خون زیادہ بہ جانے کی وجہ سے مر جاتا ہے۔'' چڑیا رُکی، پھر دونوں کی طرف دیکھ کر بولی: ''ہمیں دو کام کرنے ہیں۔ ایک تو سانپ کو زخمی کرنا ہے، دوسرے زخمی سانپ تک چیونٹیوں کی راہنمائی کرنی ہے۔''

گلہری اور خرگوش فوراً بولے: ''لیکن ہم یہ سب کریں گے کیسے؟''

چڑیا نے کہا: ''میں بتاتی ہوں۔ میں اور گلہری بہن اناج اِکھٹا کر کے چیونٹیوں کو اس درخت کے پاس لائیں گے اور خرگوش چھپ کر موقع کی تلاش میں رہے گا۔ موقع ملتے ہی سانپ کی دُم کو اپنے تیز دانتوں سے زخمی کر کے اپنی تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھاگ جائے گا۔ اس طرح وہاں موجود چیونٹیاں سانپ کو زخمی دیکھ کر اس پر حملہ کر کے اسے مار ڈالیں گی اور ہم سب محفوظ ہو جائیں گے۔''

گلہری اور خرگوش یہ ترکیب سن کر بہت خوش ہوئے۔ خرگوش اسی وقت موقع کی تاک میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اور ننھی چڑیا اور گلہری اناج جمع کرنے کے لیے جنگل میں چلی گئیں۔ دونوں نے کئی چکر لگائے اور اناج کے دانے ندی کے کنارے موجود چیونٹیوں کے بڑے سے بل سے لے کر سانپ والے درخت تک گرا دیے۔ ذرا سی دیر میں چیونٹیوں کی ایک بڑی فوج دانے اِکھٹا کرنے کے لیے بل سے نکل آئی۔ دانوں کا بڑا ڈھیر تو درخت کے پاس ہی تھا۔ چیونٹیاں وہاں جمع ہو گئیں۔ دوسری طرف خرگوش درخت کی جڑ کے پاس لمبی لمبی گھاس میں چھپا ہوا تھا۔

شام کے قریب سانپ لہراتا ہوا بل سے نکلا اور نرم گھاس پر لیٹ گیا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ وہ شاید سو گیا تھا کہ خرگوش نے موقع پا کر اس کی دُم اپنے تیز دانتوں سے کتر ڈالی اور اپنی پوری رفتار سے بھاگ گیا۔ سانپ تکلیف سے تڑپنے لگا۔ اس کا خون

تیزی سے بہنے لگا۔ پاس ہی موجود چیونٹیوں کے لشکر نے زخمی سانپ پر حملہ کر دیا۔ وہ بُری طرح اس کے زخم سے چپکی ہوئی تھیں۔

پیپل کے درخت پر بیٹھی ننھی چڑیا نے گلہری کو مبارک باد دی: ''لو بہن! اب یہ دشمن صبح تک زندہ نہیں بچے گا۔''

گلہری خوش ہوگئی۔ اگلی صبح سانپ واقعی مر چکا تھا اور چیونٹیاں اس کا گوشت کھانے میں مصروف تھیں۔ عقل مند چڑیا نے خوشی سے اپنی سریلی آواز میں گیت گانا شروع کر دیا۔

☆☆☆

ہمدرد نونہال اب فیس بک پیج پر بھی

ہمدرد نونہال تمھارا پسندیدہ رسالہ ہے، اس لیے کہ اس میں دل چسپ کہانیاں، معلوماتی مضامین اور بہت سی مزے دار باتیں ہوتی ہیں۔ پورا رسالہ پڑھے بغیر ہاتھ سے رکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ شہید حکیم محمد سعید نے اس ماہ نامے کی بنیاد رکھی اور مسعود احمد برکاتی نے اس کی آب یاری کی۔ ہمدرد نونہال ایک اعلا معیاری رسالہ ہے اور گزشتہ ۶۳ برس سے اس میں لکھنے والے ادیبوں اور شاعروں کی تحریروں نے اس کا معیار خوب اونچا کیا ہے۔

اس رسالے کو کمپیوٹر پر متعارف کرانے کے لیے

اس کا فیس بک پیج (FACE BOOK PAGE) بنایا گیا ہے۔

www.facebook.com/hamdardfoundationpakistan

محنت ضروری بھی اور ذریعۂ عظمت بھی

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور .... رپورٹ : سید علی بخاری

ہمدرد نونہال اسمبلی، لاہور میں محترمہ سعدیہ راشد نے ''محنت ضروری بھی اور ذریعۂ عظمت بھی'' کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''محنت میں عظمت کا اعتراف ہر مذہب و ملت میں کیا جاتا ہے، لیکن اسلام میں اسے سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ خود ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی محنت اور عمل کا پیکر تھی۔ آپؐ نے مسجد کی تعمیر میں صحابہؓ کے ساتھ مل کر کام کیا۔ جنگِ خندق کے موقع پر عام مسلمانوں کی طرح خندق کھودنے میں بھرپور حصہ لیا۔ آپؐ اپنا کام خود اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ سب سے بڑے انسان اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ابتدائی زندگی میں تجارت کی، بکریاں تک چرائیں اور آپؐ بعد میں اس کا ذکر بڑے فخر سے فرمایا کرتے تھے۔ بڑا آدمی بننے کے لیے محنت سے کام کرنا بہت اہم ہے۔ زندگی میں کام یابی کے لیے محنت بہت ضروری ہے، لیکن رزقِ حلال کے لیے آدمی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی کرے تو اس میں شرم کی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ فخر کی بات ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جتنے بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں، انھوں نے بچپن ہی سے محنت کی۔ جو لوگ غریب گھرانوں میں پیدا ہوئے، انھوں نے تعلیم کا خرچ نکالنے کے لیے معمولی سے معمولی کام کیے اور رات دن محنت کر کے علم اور کمال حاصل کیا۔ محنت میں کوئی شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ محنت انسانوں کو بلندی عطا کرتی ہے۔ آنے والی نسلوں کو خوب محنت سے تعلیم حاصل کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور میں پروفیسر ہمایوں احسان، پروفیسر خالد محمود عطا اور نونہال مقررین

دنیا میں روشن کرنا چاہیے۔

صدر شعبہ اردو ایچی سن کالج، پروفیسر خالد محمود عطا اور پروفیسر ہمایوں احسان بحیثیت مہمانانِ خصوصی شریک ہوئے، جب کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب نے نونہالوں سے خصوصی طور پر ٹیلے فون کے ذریعے سے خطاب فرمایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو لاتعداد قدرتی وسائل سے مالا مال کیا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سے فائدہ اُٹھایا جائے اور ان وسائل کو استعمال میں لاتے ہوئے توانائی کے بحران سے نکلا جائے۔ ۳۰ اگست ۱۹۶۱ء کو برلن (جرمنی) جانے کا موقع ملا تو میرے پاس صرف ۳۰ پاؤنڈ تھے۔ میں نے دن رات خوب محنت بھی کی اور تعلیم بھی مکمل کی۔ میرے دل میں یہ احساس تھا کہ پاکستان کی خدمت اور اس کے دفاع کے لیے مجھے محنت کرنا ہے اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرنا، لہٰذا میں پاکستان چلا آیا۔ مجھے اس وقت بہت لالچ اور ترغیبات دی گئیں، مگر میرے پیشِ نظر صرف پاکستان تھا، لہٰذا نونہالو! آپ کو بھی چاہیے کہ آپ بھی اپنے پیارے وطن پاکستان کی تعمیر کے لیے خوب محنت کریں۔

پروفیسر خالد محمود عطا نے کہا کہ اگر ہم اپنے اندر تین چیزوں کو جذب کرلیں تو ہم

محنت بھی کر سکتے ہیں اور محنت کو عظمت بھی سمجھ سکتے ہیں۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں: اسلام، تحریکِ پاکستان کے کارکنوں کی قربانیاں اور قومی زبان اردو سے محبت۔

پروفیسر ہمایوں احسان نے کہا کہ اس سے بڑی مثال اور سبق کوئی نہیں ہے کہ ایک شخص چند روپوں سے اپنی زندگی کا سفر شروع کرتا ہے اور حق حلال محنت سے کروڑوں روپے کماتا ہے اور پھر ملک کے نام فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دیتا ہے، وہ شخص حکیم محمد سعید ہے۔ زندگی میں شہید حکیم محمد سعید کو اپنا مقصدِ حیات بنالو، کام یاب ہو جاؤ گے۔

نونہال مقررین میں سمعہ نور، احمد شاہد، خبیب ریاست، رجاء سید، مریم نور، عجوہ احمد، محمد اکبر اور شہراز ایوب شامل ہیں۔ آخر میں دعاے سعید پیش کی گئی۔

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی .... رپورٹ : حیات محمد بھٹی

☆ ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں مقررین خطاب کر رہے ہیں۔ ☆

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی کے اجلاس میں مہمانِ خصوصی علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کے ڈائریکٹر ریجنل سروسز، محترم رانا طارق جاوید تھے۔ رکنِ شوریٰ ہمدرد محترم نعیم اکرم قریشی بھی اجلاس میں شریک ہوئے۔ یومِ مزدور، یکم مئی کے سلسلے میں موضوع تھا: ''محنت ضروری بھی اور ذریعۂ عظمت بھی''

اسپیکر اسمبلی نونہال عائشہ اسلم تھیں۔ تلاوتِ قرآنِ مجید حافظ حمزہ بلال نے، حمدِ باری تعالیٰ مریم اور ساتھی نونہالوں نے اور نعتِ رسولِ اکرم نونہال طیبہ نے پیش کی۔ نونہال مقررین میں صائم محمود، لائبہ سحر، عبدالمتین، نویرا ایمان اور عیشا سحر شامل تھیں۔

قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے کہا کہ حصولِ آزادی کے بعد ہم نے محنت کو اپنا شعار بنائے رکھا تو پاکستان ترقی کرتا رہا۔ درست سمت میں آگے بڑھنے کے طریقوں کو ہم نے اپنایا اور خوب فائدہ اُٹھایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ترقی کا یہ عمل رک گیا۔ وجہ یہ ہے کہ ہم میں محنت، خلوص اور ایمان داری کی کمی ہوگئی ہے۔

محترم نعیم اکرم قریشی نے کہا کہ محنت کی عظمت میں جو راز پوشیدہ ہے، وہ ہمیں معلوم ہو جائے تو ہم بامِ عروج پر پہنچ سکتے ہیں۔

محترم رانا طارق جاوید نے کہا کہ فرانس کا بادشاہ نپولین ایک محنت کش انسان تھا اور یہ محنت کشی ہی تھی جس نے اسے بلا کی خود اعتمادی عطا کی تھی۔ جرمنی کے چانسلر ہٹلر کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ فوج میں ایک چھوٹے سے عہدے پر تھا۔ ہٹلر صرف اپنے وطن کی محبت اور انتھک محنت کی بدولت اتنا مقبول ہوا کہ اس وقت کا وزیراعظم بھی اس کی بات ماننے پر مجبور تھا۔

اس موقع پر نونہالوں نے ایک سبق آموز خاکہ اور رنگا رنگ ٹیبلو پیش کیا۔ آخر میں انعامات تقسیم کرنے کے بعد دعائے سعید پیش کی گئی۔

بلاعنوان انعامی کہانی

محمد اقبال شمس
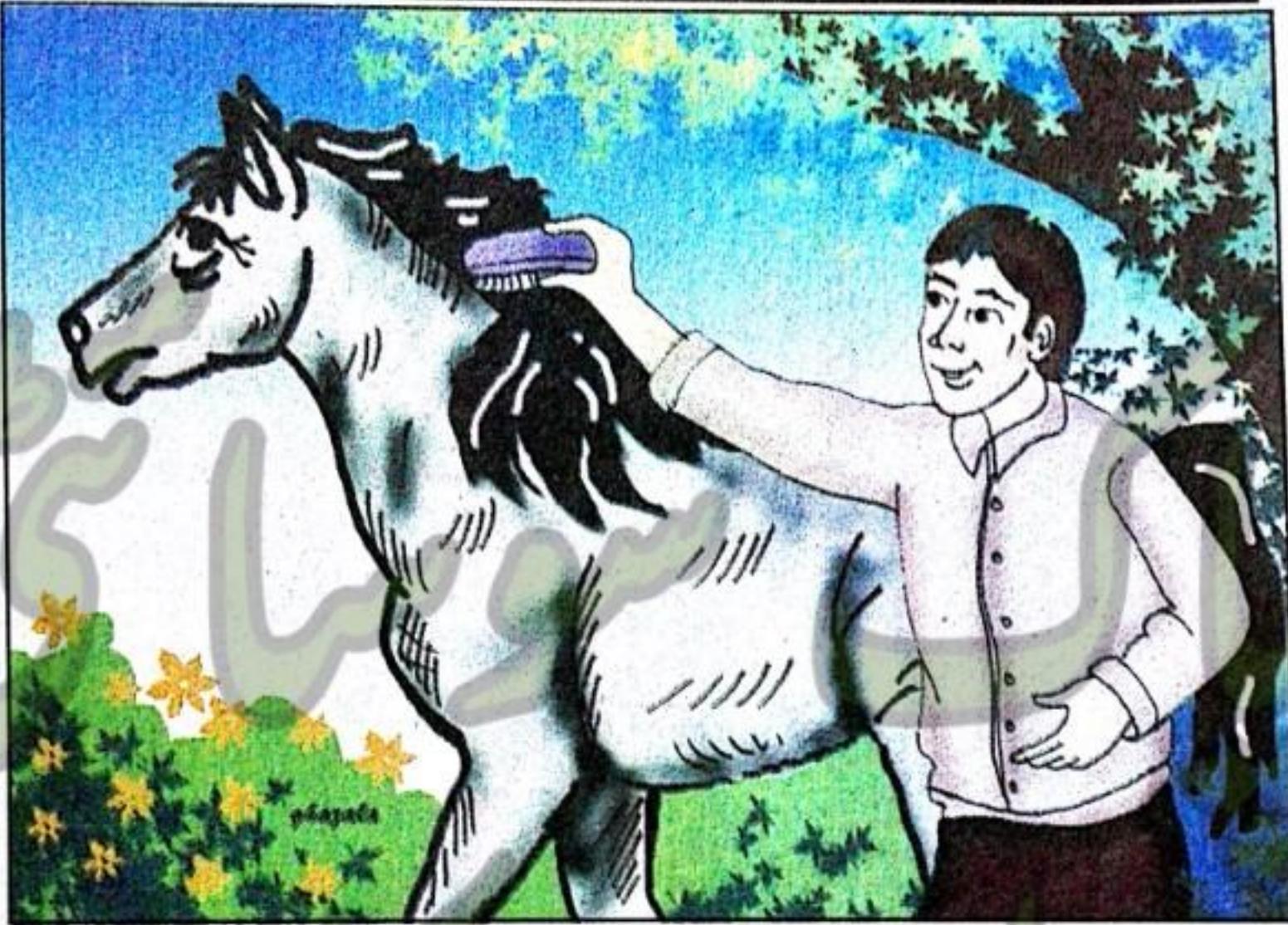
آج سے تقریباً پچیس سال پہلے وہ رات میرے لیے ایک اذیت ناک رات تھی۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب میرے مرحوم والد کا گھوڑا میرے استعمال میں ہوا کرتا تھا۔ وہ گھوڑا اب بوڑھا ہو گیا تھا، مگر اس کی رفتار اب بھی جوان گھوڑے جیسے ہی تھی۔ میں ریلوے اسٹیشن کے دفتر میں کام کرتا تھا۔ رات کو اکثر مجھے دیر ہو جاتی تھی۔ اس دن مجھے تنخواہ ملی تھی اور گھر واپسی پر مجھے دیر ہو گئی تھی۔ رات کا وقت ہو چلا تھا۔ میں اپنے گھوڑے پر سوار اپنے گھر کی طرف رواں دواں تھا۔ ابھی میں نے آدھا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ اچانک دو گھڑ سوار میرے دائیں اور بائیں آتے دکھائی دیے۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ
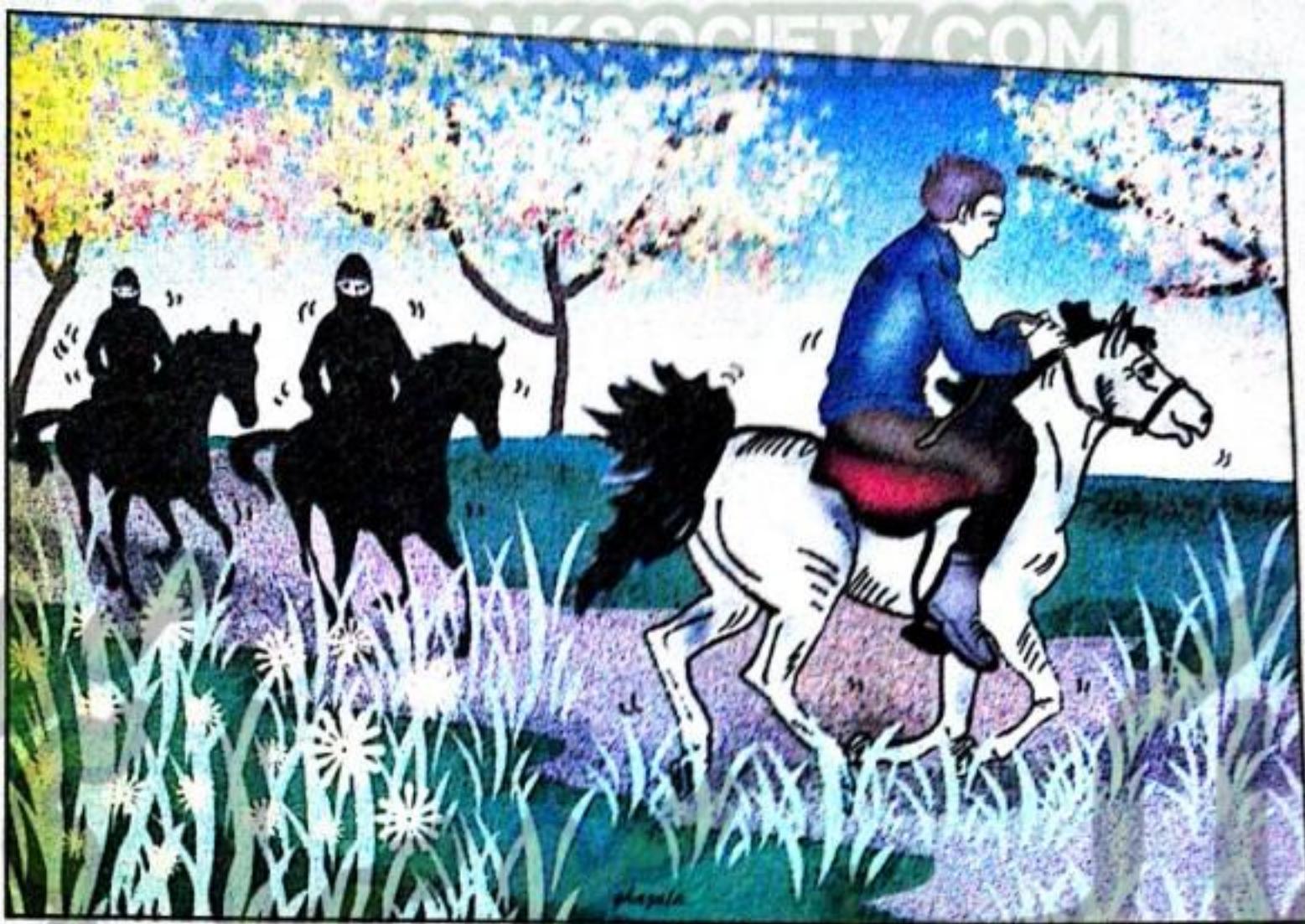
وہ دونوں ڈاکو ہیں۔ مجھے اپنے مہینے بھر کی کمائی کی فکر لاحق ہوگئی۔ میں نے گھوڑے کی رفتار مزید بڑھانے کے لیے اس کو پاؤں کی ایڑھ لگائی۔ گھوڑے نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ اسی دوران ڈاکوؤں نے مجھے پکڑنے کی کوشش کی، مگر وہ نا کام رہے۔ راستے میں ایک رکاوٹ آ گئی تھی، لیکن گھوڑا اسے عبور کر گیا۔ اسی کشمکش میں، میں اپنے راستے سے بھٹک گیا تھا اور جانے کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ البتہ ڈاکوؤں کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے سکھ کا سانس لیا۔ اس انجان جگہ پر ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک میرے سامنے ایک شخص شمع تھامے کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر میں حیران تھا کہ اس نے پوچھا: ''کون ہو تم؟ اور کہاں جانا ہے؟''

وہ شخص ساٹھ سال کے لگ بھگ ہوگا۔ اس کا حلیہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔

میں نے جواب دیا: ''دراصل میں انجانے میں راستہ بھٹک گیا ہوں۔''

وہ بولا: ''اب تو رات بھی کافی ہوگئی ہے۔ ایسا کرو سامنے میرے مالک کا گھر ہے، یہاں آرام کرو، صبح اپنے گھر چلے جانا۔''

میں نے کچھ سوچا، پھر اس کے ساتھ ہولیا۔ وہ جگہ کچھ ویران سی تھی۔ میں گھوڑے سے اُترا اور اس کی لگام تھامے اس شخص کے ساتھ آگے بڑھنے لگا کہ اچانک گھوڑا آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹنے لگا۔ میں نے اسے چلانے کی کافی کوشش کی، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا، بلکہ وہ اُلٹا اپنے قدم پیچھے ہٹانے لگا۔ آخر تھک ہار کر میں نے قریب ہی ایک درخت کے ساتھ اسے باندھ دیا اور خود اس شخص کے ساتھ ہولیا۔

اچانک راستے میں مجھے ایک قبر نظر آئی: ''یہ قبر کس کی ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا بس سر جھکائے چلتا رہا۔ پھر وہ مجھے اس مکان کی بیٹھک میں لے آیا۔ میں کافی تھک گیا تھا۔ فوراً چارپائی پر ڈھیر ہوگیا، جب کہ وہ میرے لیے چاے لینے چلا گیا۔

ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اچانک ایک شخص میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ میں حیرت زدہ رہ گیا کہ وہ اچانک کیسے آ گیا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب مسکراہٹ تھی۔ وہ بولا: ''میرا نام مائیکل ہے اور میں اس گھر کا مالک ہوں۔''

پھر میرے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے کہا: ''مجھے میرے نوکر ڈیوڈ نے آپ کے بارے میں بتایا ہے کہ آپ راستہ بھٹک گئے ہیں۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں کچھ دیر یہاں آرام کریں۔ آپ اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ اسی دوران ہماری پُشت کی جانب سے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پھر میں نے جو منظر دیکھا تو خوف سے اُچھل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ قدموں کی آہٹ سن کر مائیکل خود نہیں مُڑا، بلکہ اس کی صرف گردن پیچھے کی طرف

گھوم گئی۔ یہ دیکھ کر میری خوف سے حالت بُری ہو گئی تھی۔ میرے قدم پیچھے ہٹنے لگے۔ آنے والا شخص ڈیوڈ تھا۔ اس نے ہاتھ میں ٹرے پکڑ رکھی تھی۔ جب کہ اس کے اوپر چادر ڈھکی ہوئی تھی۔ ڈیوڈ اور مائیکل آہستہ آہستہ میرے قریب آنے لگے۔ مائیکل کی آواز آئی:

''ارے آپ کہاں جا رہے ہیں! چائے نہیں پئیں گے؟''

یہ کہہ کر اس نے ٹرے پر سے چادر ہٹائی۔ یہ دیکھ کر حیرت سے میری آنکھیں پھٹ گئیں، کیوں کہ ٹرے میں چائے نہیں، بلکہ ایک کلہاڑی رکھی ہوئی تھی۔ مائیکل نے فوراً وہ کلہاڑی اپنے ہاتھ میں تھام لی۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

''کون ہو تم...... کیا چاہتے ہو؟'' یہ الفاظ میرے حلق سے بڑی مشکلوں سے ادا ہوئے۔ وہ جواب دینے کے بجائے مجھے گھورتا رہا۔ وہ دونوں میرے نزدیک آتے جا رہے تھے۔ جب کہ میرے قدم پیچھے ہٹ رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ مائیکل کی آنکھیں انگارے کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔

''مجھے کیوں مارنا چاہتے ہو۔'' میں چیخا۔

انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ میرے بہت نزدیک آچکے تھے۔ مائیکل کا کلہاڑی والا ہاتھ اُٹھ چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر وار کرتا، میں نے فوراً قریب رکھا ہوا گلدان اُٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ وہ غرانے لگا۔ اسی دوران میں دروازے کے نزدیک آ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دونوں میرے قریب آتے، میں نے فوراً دروازہ کھولا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ بھی میرے پیچھے لپکے۔ میں بھاگتے ہوئے اچانک لڑکھڑایا اور زمین پر گر پڑا۔ قریب ہی وہ قبر تھی جو میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ میرا گھوڑا مجھے دیکھ کر ہنہنانے لگا۔ اس سے پہلے کہ میں اُٹھتا اچانک ایک ہاتھ قبر کو پھاڑ کر باہر نکلا۔

یہ دیکھ کر میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ابھی میں سنبھل کر اُٹھنا چاہ رہا تھا کہ اچانک وہ ہاتھ میرے گلے تک آ گیا۔

میرا دم گھٹنے لگا۔ وہ دونوں بھی میرے قریب آتے جا رہے تھے۔ مجھے اپنی موت آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگی۔ گھوڑے کی بے چینی اور ہنہنانے میں تیزی آ گئی۔ وہ اگلی ٹانگیں ہوا میں اُچھالنے لگا۔ وہ دونوں تقریباً میرے نزدیک آ گئے تھے، جب کہ قبر والا ہاتھ میرا گلا مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ میرا سانس اٹکنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ مائیکل کا کلہاڑی والا ہاتھ اوپر اُٹھا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر وار کرتا۔ گھوڑا رسی توڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے ان دونوں پر اپنی اگلی ٹانگوں سے وار کیا۔ کلہاڑی مائیکل کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور ساتھ ہی وہ دونوں بھی دور جا گرے۔ اس کے بعد گھوڑا ہاتھ کی طرف لپکا اور اپنی لاتوں سے اسے کچلنے لگا۔ ہاتھ کی گرفت ڈھیلی ہونے لگی اور پھر ایک دم میں اس ہاتھ سے آزاد ہوگیا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھلتا، وہ دونوں پھر میری طرف بڑھنے لگے جب کہ ہاتھ بھی دوبارہ میری طرف بڑھنے لگا۔ پھر گھوڑے کو کیا سوجھی کہ اس نے فوراً ہاتھ کو اپنے دانتوں میں دبا لیا یہ دیکھ کر مائیکل اور ڈیوڈ جہاں کھڑے تھے، وہیں جم گئے۔ پھر وہ دونوں چیخے: ''چھوڑ دو ہاتھ کو۔'' مگر گھوڑا مسلسل اسے دانتوں میں دبانے لگا۔ ہاتھ سے خون رسنے لگا۔ مسلسل خون بہنے سے وہ ہاتھ ڈھیلا پڑ چکا تھا۔ جیسے اس کی جان نکل گئی ہو پھر ہاتھ ایک طرف کو ڈھلک گیا۔ گھوڑے نے اپنا منھ کھول دیا۔ شیطانی ہاتھ کے خاتمے سے ان دونوں بلاؤں کے جسموں میں آگ لگ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں راکھ کا ڈھیر بن کر غائب ہو گئے۔ اچانک گھوڑا بھی ایک طرف کو گر گیا، اس کے منھ سے جھاگ نکلنے لگے۔

میں نے دیکھا کہ گھوڑا نہایت ہی شفقت بھرے انداز میں میری طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ مر چکا تھا۔ اس نے جانور ہو کر ایک عظیم قربانی دی تھی۔ اچانک میرا بھی سر گھومنے لگا اور پھر میں بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو اپنے اردگرد چند لوگوں کو جھکا پایا۔ پاس ہی میرا گھوڑا مُردہ پڑا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک آدمی نے پوچھا: ''کون ہو؟ اور یہ گھوڑا کیسے مرا؟''

میں نے رات کا واقعہ ان کو سنایا۔ ان میں سے پھر ایک آدمی بولا: ''لیکن یہاں تو نہ کوئی قبر ہے اور نہ کوئی گھر۔ بہر حال یہ ضرور کوئی شیطانی قوت تھی، جو یہاں بسیرا کیے ہوئے تھی۔ جبھی کچھ عرصے سے ہمارے علاقے کے لوگ، غائب ہو رہے تھے۔ یقیناً اس کے پیچھے وہ ہی دو آدمی اور وہ شیطانی ہاتھ ہوگا۔''

ان میں سے ایک شخص بولا: ''تمھارا گھوڑا بہت وفادار تھا، جس نے اپنی جان قربان کر کے نہ صرف تمھیں، بلکہ بہت سے لوگوں کو بھی اس شیطانی ہاتھ کے شر سے محفوظ کر دیا۔'' یہ سن کر میں گھوڑے کے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ ☆

اس بلا عنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۸۷ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- جولائی ۲۰۱۵ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جا سکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

علم کی حقیقت

مرسلہ : محمد شیراز انصاری، کراچی

ایک دفعہ حضرت سلیمان فارسیؓ کو دریائے دجلہ کے کنارے جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک شاگرد ساتھ تھا۔ حضرت سلمانؓ نے اس سے کہا کہ گھوڑے کو پانی پلاؤ۔ شاگرد نے حکم کی تعمیل کی۔

جب گھوڑا اچھی طرح پانی پی چکا تو آپؓ نے فرمایا: ''اچھا بتاؤ، کیا اس جانور کے پانی پینے سے دجلہ میں کوئی کمی واقع ہوئی؟''

اس نے کہا: ''جی نہیں۔''

آپؓ نے فرمایا: ''علم کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ اس میں سے جتنا بھی خرچ کیا جائے، یہ گھٹتا نہیں۔''

فرض شناس

مرسلہ : اقصیٰ راؤ عبدالغفار، کراچی

ایک مرتبہ غروبِ آفتاب کے بعد قائد اعظم کسی گہری سوچ میں گم گورنر ہاؤس میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے اے۔ ڈی۔ سی لیفٹیننٹ احسن تھے۔ قائد اعظم چلتے چلتے گیٹ کی طرف آ گئے۔ ابھی گیٹ سے کچھ ہی فاصلے پر تھے کہ گیٹ پر مقرر سپاہی نے پکارا: ''جوان! رک جاؤ۔''

قائد سوچوں میں اس قدر گم تھے کہ انھوں نے آواز نہ سنی۔ لیفٹیننٹ میں جرأت نہ تھی کہ قائد کو متوجہ کرتے۔ قائد چار قدم اور آگے بڑھے تو سپاہی نے پھر خبردار کیا۔ جب ان کے قدم آخری حد کے قریب پہنچ گئے تو سپاہی نے رائفل سیدھی کر کے نشانہ لیا اور گرج دار آواز میں پھر تنبیہ کی: ''اب اس سے آگے ایک قدم بھی بڑھایا تو فائر کر دوں گا۔''

قائد رک گئے۔

لیفٹیننٹ نے سپاہی سے کہا: ''تمھیں معلوم نہیں کہ تم گورنر جنرل پاکستان سے

مخاطب ہو؟''

سپاہی نے فوراً کہا: ''میں اپنے فرض کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔''

یہ الفاظ سن کر قائد کا چہرہ چمک اُٹھا، وہ بولے: ''جب تک اس ملک کو اس طرح کے فرض شناس سپاہی میسر آتے رہیں گے، یہ ملک محفوظ اور اس کا مستقبل درخشاں رہے گا۔''

ایسی ہی مثالیں قوموں کو زندہ وجاوید بناتی ہیں اور قوموں کی زندگیوں میں خون بن کر گردش کرتی ہیں۔

نئی جُرّاب

مرسلہ : محمد افضل انصاری، لاہور

مشہور ادیب خشونت سنگھ کی جُرابوں سے سخت بُو آتی تھی۔ وہ جہاں جوتے اُتارتے، لوگ محفل چھوڑ کر بھاگ جاتے۔

ایک مرتبہ ان کی بیوی کے رشتے داروں میں شادی تھی، لہٰذا اس نے اپنے شوہر کو نئی جُرابیں لا کر دیں اور کہا کہ کم از کم وہاں تو نئی جُرابیں پہن کر جائیں۔

جب خشونت سنگھ شادی کی تقریب میں پہنچے تو تمام باراتی اُٹھ کر بھاگ گئے۔ خشونت سنگھ کی بیوی دوڑی دوڑی ان کے پاس آئیں اور کہا: ''آپ پھر پُرانی جُرابیں پہن کر آ گئے؟''

خشونت سنگھ نے بڑے اطمینان کے ساتھ جوتے اُتارتے ہوئے کہا: ''میں نئی جُرابیں ہی پہن کر آیا ہوں، لیکن مجھے پتا تھا تم یقین نہیں کرو گی، اس لیے میں پُرانی جُرابیں جیب میں رکھ کر لے آیا ہوں۔''

کاغذ کیسے بنتا ہے

مرسلہ : تحریم خان، نارتھ کراچی

کاغذ اور درخت میں کوئی مناسبت نظر نہیں آتی، لیکن اس وقت زیادہ تر کاغذ درخت کی چھال ہی سے بنایا جاتا ہے۔ درخت کی چھال کو مشین کے ذریعے سے ریزہ ریزہ کر دیا جاتا ہے اور پھر اسے پانی اور دوسری کیمیائی چیزوں میں پھینٹ کر آٹے کی طرح گوندھ لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے ایک رولر پر چڑھا کر خشک کر لیا جاتا ہے۔ اس طرح کاغذ

کے باریک اور لمبے تختے تیار ہو جاتے ہیں۔

کاغذ بنانے کے لیے اچھے درخت زیادہ تر ناروے، سوئیڈن، روس اور کینیڈا کے جنگلوں میں ملتے ہیں اور یہی ملک کاغذ بنانے کی صنعت میں زیادہ مشہور ہیں۔

کاغذ بنانے کے زیادہ تر کارخانے یورپ اور امریکا کے ملکوں میں ہیں، لیکن ایک زمانہ تھا، جب کاغذ بنانے کا طریقہ صرف ایشیا کے باشندوں کو معلوم تھا۔ جب عربوں نے اسپین پر قبضہ کیا تو انھوں نے وہاں کے لوگوں کو کاغذ بنانے کا طریقہ سکھایا۔ بعد میں یورپ کے بہت سے لوگ فلسطین میں آئے اور یہاں کے لوگوں سے کاغذ بنانے کا فن سیکھا۔ کاغذ کی تیاری سے علم کی ترقی میں بڑی مدد ملی۔ اب کاغذ کو لکھنے پڑھنے کے علاوہ دوسرے کاموں میں بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔

عروج اور زوال

مرسلہ : سیدہ وجیہہ ناز، جگہ نامعلوم

عروج اور زوال زندگی کے لازمی حصے ہیں، کیوں کہ جب آپ عروج پر ہوتے ہیں تو آپ کے دوستوں کو پتا چلتا ہے کہ آپ کیسے آدمی ہیں۔

اور جب آپ زوال پہ ہوتے ہیں تو آپ کو پتا چلتا ہے کہ آپ کے دوست کیسے لوگ ہیں۔

محنت

مرسلہ : ایمن فاطمہ اقبال، بہاول پور

☆ محنت کرنے والے کسی کے محتاج نہیں ہوتے۔

☆ محنت کرنے سے خوش حالی آتی ہے۔

☆ محنت کرنے سے عزتِ نفس میں اضافہ ہوتا ہے۔

☆ محنت کرنے سے خودداری قائم رہتی ہے۔

☆ محنت کرنے والا غرور اور تکبر سے دور رہتا ہے۔

☆ محنت کرنے سے صحت اچھی رہتی ہے۔

☆ محنت کرنے سے معاشرہ ترقی کرتا ہے۔

☆ مسلسل محنت انسان کو کام یابی کے قریب کر دیتی ہے۔

☆☆☆

ہنسی گھر

😊ایک آدمی بادام بیچ رہا تھا۔ کسی نے پوچھا: ''اس سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟''
بادام والے نے کہا: ''اس کو کھانے سے دماغ تیز ہوتا ہے۔''
گاہک: ''وہ کیسے؟''
بادام والا بولا: ''یہ بتاؤ کہ ایک کلو چاول میں کتنے دانے ہوتے ہیں؟''
گاہک: ''پتا نہیں۔''
بادام والے نے اسے ایک بادام کھلایا اور پوچھا: ''اب بتاؤ، ایک درجن میں کتنے انڈے ہوتے ہیں؟''
گاہک: ''بارہ انڈے ہوتے ہیں۔''
بادام والا: ''دیکھا، دماغ تیز ہو گیا نا!''
گاہک: ''یہ تو کمال کی چیز ہے، دو کلو دے دو۔''

مرسلہ : اُمیمہ بنتِ محمد شاہد امین، نواب شاہ

😊ایک پاگل مینار پہ چڑھ گیا۔ سب نے اس کو اُترنے کے لیے کہا۔ وہ نہیں اُترا، اتنے میں ایک اور پاگل آیا۔ لوگوں نے کہا: ''تم اس سے کہو کہ نیچے آ جائے۔''
دوسرا پاگل: ''نیچے آؤ، ورنہ میں قینچی سے مینار کاٹ دوں گا۔''
پاگل فوراً نیچے آ گیا۔ لوگوں نے پہلے پاگل سے پوچھا: ''تم ہمارے کہنے پر نہیں اُترے، اس کے کہنے پہ کیوں اُتر آئے؟''
پہلا پاگل: ''یہ تو پاگل ہے، اس کا کیا بھروسا، مینار کاٹ ہی دے۔''

مرسلہ : عائشہ ثمین، میٹروویل، کراچی

😊ایک آدمی نے زندگی میں کبھی بھی اپنی بیوی کے کھانے کی تعریف نہیں کی تھی۔ ایک دن وہ مسجد گیا تو مولوی صاحب نے اپنے خطبے میں کہا: ''ہمیں کسی بھی کھانے کو بُرا نہیں کہنا چاہیے، بلکہ اس کی تعریف کرنی چاہیے۔''
وہ آدمی گھر پہنچ کر کھانا کھانے بیٹھا تو کہنے لگا: ''واہ! وا! کیا مزے دار کھانا ہے، دل خوش ہو گیا۔''

یہ سن کر اس کی بیوی ہاتھ میں بیلن لے کر آئی اور کہا: ''بیس سالوں میں تم نے کبھی میرے کھانے کی تعریف نہیں کی۔ آج پڑوس سے دال آئی ہے تو کیسے مزے سے کھا کر تعریفیں کر رہے ہو۔''

مرسلہ : لیلیٰ جبین، کراچی

☺ استاد: ''وہ نہا رہے ہیں، میں نہا رہا ہوں، تم نہا رہے ہو۔ یہ کون سا زمانہ ہے؟''

شاگرد: ''جناب! یہ عید کا زمانہ ہے۔''

مرسلہ : حرا سعید شاہ، جوہر آباد

☺ باپ نے بیٹے سے پوچھا: ''اپنے رزلٹ کا بتاؤ؟''

بیٹے نے کہا: ''ابا! ہیڈ ماسٹر صاحب کا بیٹا فیل ہو گیا ہے۔''

باپ نے کہا: ''اپنے بارے میں بتاؤ۔''

بیٹے نے کہا: ''ڈاکٹر صاحب کا بیٹا بھی فیل ہو گیا ہے۔''

باپ نے غصے سے کہا: ''بدتمیز! میں کہہ رہا ہوں، تم اپنے نتیجے کے بارے میں بتاؤ۔''

بیٹے نے برجستہ جواب دیا: ''آپ کا بیٹا بھی فیل ہو گیا ہے۔''

مرسلہ : مشعل نایاب، کراچی

☺ دو بے وقوف پانی پینے گئے۔ گلاس اُلٹا رکھا ہوا تھا۔ پہلا بولا: ''گلاس کا تو منھ ہی بند ہے۔''

دوسرے نے گلاس اُٹھا کر دیکھا اور بولا: ''اور اس کا تو پیندا ہی نہیں ہے۔''

مرسلہ : سیدہ ثانیہ حق، کراچی

☺ ایک دوست نے دوسرے سے پوچھا: ''یہ کیا ماجرا ہے کہ جب میں اُلٹا کھڑا ہوتا ہوں تو میرے جسم کا خون میرے سر میں جمع ہو جاتا ہے اور جب میں سیدھا کھڑا ہوتا ہوں تو پاؤں میں جمع کیوں نہیں ہوتا؟''

دوسرے دوست نے بڑی عقل مندی سے جواب دیا: ''جو جگہ خالی ہو گی، خون وہیں تو جمع ہو گا۔''

مرسلہ : محمد احمد، راولپنڈی

☺ ایک بچے نے ماں سے پوچھا: ''امی جان! آپ نے کہا تھا کہ انسان کو صبر کا

دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے؟''

ماں: ''ہاں بیٹا! میں نے کہا تھا۔''

بچہ: ''آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ ہر کام اللہ کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے؟''

ماں: ''ہاں ہاں! میں نے کہا تھا، مگر بات کیا ہے؟''

بچہ: ''آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ خدا کے کاموں میں دخل نہیں دینا چاہیے؟''

ماں: ''بتاؤ تو سہی، ہوا کیا ہے؟''

بچہ: ''بات یہ ہے کہ امی! میں امتحان میں فیل ہوگیا ہوں۔''

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

☺ایک پروفیسر صاحب جھوٹ کے موضوع پر لیکچر دے رہے تھے۔ لیکچر دینے کے بعد انھوں نے حاضرین سے پوچھا: ''آپ میں سے کس کس نے میری کتاب کا نواں باب پڑھا ہوا ہے؟''

تقریباً تمام حاضرین نے ہاتھ کھڑے کردیے۔ یہ دیکھ کر پروفیسر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا: ''میں نے آپ لوگوں کے سامنے بالکل ٹھیک تقریر کی ہے، کیوں کہ میری کتاب کے کُل آٹھ ابواب ہیں۔''

مرسلہ : محمد حبیب الرحمٰن، کراچی

☺ایک ڈاکٹر نے آدھی رات کو ایک مستری کو فون کیا: ''میں اس وقت آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا، لیکن مجبوری ہے غسل خانے کے نل سے پانی رس رہا ہے۔ جلدی تشریف لایئے۔''

مستری نے بیزاری سے جواب دیا: ''آپ یوں کیجیے، ہر دو گھنٹے بعد اسپرین کی دو ٹکیاں نل میں ڈال دیں۔ اگر پانی صبح تک بند نہ ہو تو پھر صبح نو بجے مجھے دکان پر فون کریں۔''

مرسلہ : فاکہہ عباسی، جگہ نامعلوم

☺ماہرِ نفسیات: ''مبارک ہو، آپ کا علاج مکمل ہوگیا ہے۔ اب آپ بالکل ٹھیک ہیں۔''

دماغی مریض: ''کیا فائدہ، آپ کے علاج سے پہلے میں ملک کا وزیرِ اعظم تھا، اب ایک عام سا آدمی ہوں۔''

مرسلہ : مزمل شاہ، کراچی

عیدی

نسرین شاہین

عید کے دن اپنے بڑوں سے عید ملنے کے لیے جانا اور بڑوں کا چھوٹوں کو ''عیدی'' دینا ہماری تہذیب میں شامل ہے۔عیدی چاہے کتنے ہی رپوں کی صورت میں ہو، یہ روایت عید کے دن نبھائی جاتی ہے اور بچوں کی عید کی خوشی دوبالا کرتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بچپن میں عید کی تمام خوشیوں میں ''عیدی'' کو مرکزی اہمیت ہوتی ہے، کیوں کہ عید کے دن کوئی چیز ملکیت اور امیر ہو جانے کا احساس اُجاگر کرتی ہے تو وہ ''عیدی'' ہی ہے۔عیدی دینے کی روایت پہلے بھی تھی اور آج بھی ہے۔

عید کی تیاریوں کے دوران بڑوں کی مصروفیت اور بچوں کی خوشی تو دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔خوشی کے مارے بچوں کو تو رات بھر نیند ہی نہیں آتی۔ وہ عید کے کپڑے، جوتے اور دوسری چیزیں بار بار نکال کر دیکھتے ہیں اور اطمینان کر لینے کے بعد صبح کا انتظار کرتے ہیں۔

عید کی صبح کا آغاز عید کی نماز پڑھنے،عید گاہ جانے،نماز کے بعد عید کی مبارک باد دینے اور گلے ملنے سے ہوتا ہے۔ یہ بہت خوب صورت اور دل چسپ منظر ہوتا ہے، جب سب لوگ سارے گلے شکوے مٹا کر ایک دوسرے سے عید ملتے ہیں۔ بچے اپنے بڑوں سے عیدی لینے کے منتظر ہوتے ہیں تو بڑے بھی اس دن مسکراتے ہوئے جیبیں خالی کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب بچوں کے دل میں خوشی پیدا ہوتی ہے اور چہرے پر مسکراہٹ نظر آتی ہے۔ واقعی عیدی کی کیا بات ہے۔

عید کا دن بڑوں سے عیدی وصول کرنے کی مصروفیت میں گزرتا ہے، بلکہ چاند رات کو ہی بہت سی عیدی ملنے کی خوب دعائیں بھی کی جاتی ہیں ۔ عید کا دن عیدی جمع کرنے میں خوشی خوشی گزرتا ہے تو رات کو عیدی کی گنتی شروع ہو جاتی ہے ۔ دادا، دادی، نانا، نانی، تایا، چچا، پھپھو، ماموں، خالہ، بڑے بھائی، بہن اور دوسرے لوگوں سے ملنے والی عیدی کی گنتی کرنا بھی ایک خوش گوار عمل ہوتا ہے۔

ہمارے بچپن میں بھی عید کی تمام خوشیاں، عیدی کی وجہ سے ہی تھیں ۔ عید سے کافی دن پہلے ہی حساب لگا لیا جاتا تھا کہ عید پر کتنی عیدی جمع ہو گی اور کس سے زیادہ عیدی ملنے کی اُمید ہے ۔ یوں اسی اُمید پر عید کے دن کا خوب انتظار کیا جاتا تھا۔ عید کے دن گھر میں ملنے کے لیے آنے والے مہمانوں کو خوب لپک لپک کر سلام کیا کرتے تھے، عیدی کی اُمید جو ہوتی تھی ۔ پڑوسیوں اور رشتے داروں کے ہاں بھی عید ملنے جاتے تھے تو مقصد ایک ہی ہوتا تھا۔ عیدی کا ملنا اور اکثر اس اُمید اور مقصد میں کام یابی ہوتی تھی ۔

ہمارے بچپن میں تو پانچ، دس رپے عیدی بہت تصور کی جاتی تھی، پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ منہگائی میں اضافہ ہوتا گیا۔ آج کے بچے خوش نصیب ہیں جنھیں عیدی کے نام پر سو، پچاس رپے ملتے ہیں ۔ ہماری عیدی کا کُل خزانہ سو رپے تک پہنچ جاتا تھا تو خوشی سے راتوں کی نیند ہی اُڑ جاتی تھی اور اگر کسی کی عیدی ہماری عیدی سے زیادہ ہوتی تو بھی ہماری خوشی اپنی جگہ قائم رہتی تھی ۔ دل میں حسد نہیں تھا، جتنا ملتا اس پر شکر ادا کرتے تھے ۔ عید کے بعد کچھ دنوں تک عیدی کا خمار رہتا۔ عیدی کی گنتی والدین سے کرائی جاتی اور انھیں ہی اپنی عیدی کا امین بنایا جاتا تھا۔ یوں دل کو اطمینان رہتا تھا کہ ہماری دولت محفوظ

ہاتھوں میں ہے۔

آج بھی عیدی کے سلسلے میں اکثر نونہالوں میں یہی انداز و اطوار پائے جاتے ہیں، البتہ آج کل بچے عیدی خود گنتے ہیں اور اپنی عیدی کو خود اپنے پاس محفوظ رکھتے ہیں۔ عیدی کا مصرف بھی خود ہی تلاش کر لیتے ہیں، یعنی خود ہی فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اپنی رقم کو کہاں خرچ کرنا ہے۔ بعض بچے فضول چیزوں میں اپنی عیدی خرچ کر ڈالتے ہیں، پھر بعد میں انھیں افسوس بھی ہوتا ہے۔ بچوں کو چاہیے کہ عیدی کو اپنے والدین کے پاس رکھوائیں اور ان کے مشورے سے ہی ضروری چیزیں خریدیں۔ فضول خرچی نہ کریں۔

اپنی عیدی سے آپ اپنی ضرورت کے ساتھ ساتھ دوسروں کے لیے بھی خوشیاں خرید سکتے ہیں۔ اس کا طریقہ بہت آسان ہے۔ اپنے پڑوس میں اور اپنے دوستوں میں دیکھیں اگر کوئی ضرورت مند ہے تو اس کی مدد عیدی کی رقم سے کر دیں۔ یہ مدد آپ کپڑے اور ضرورت کی دوسری چیزیں خرید کر دینے سے اور اسکول کی فیس ادا کر کے بھی کر سکتے ہیں۔ یا پھر نقد رقم کی صورت میں بھی دے سکتے ہیں، تا کہ وہ خود اپنی ضرورت پوری کر سکے۔ اس سلسلے میں آپ اپنے والدین سے مشورہ بھی ضرور کر لیں، تا کہ آپ مناسب طریقے سے عیدی کو کام میں لے آئیں۔ آپ یقین کریں، جتنی خوشی آپ کو عیدی ملنے اور عیدی جمع کرنے سے ملی تھی، اس سے کئی گنا زیادہ خوشی آپ کو کسی غریب بچے کی ضرورت پوری کرنے سے ملے گی۔ تو آپ اپنی عیدی سے عید کی سچی خوشی حاصل کرنے کے لیے اپنے آس پاس نظریں دوڑائیں اور دیکھیں، کوئی ضرورت مند تو نہیں ہے؟

☆☆☆

معلومات افزا

معلومات افزا کے سلسلے میں حسب معمول ۱۶ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے سولہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ صحیح جوابات دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ جوابات صحیح دیں اور انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ جولائی ۲۰۱۵ء تک ہمیں مل جائیں۔ کوپن کے علاوہ علاحدہ کاغذ پر بھی اپنا مکمل نام پتا اردو میں بہت صاف لکھیں۔ ادارہ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ بنی اسرائیل کے زمانے کا انتہائی دولت مند شخص قارون .... کا چچازاد بھائی تھا۔ (حضرت یوسفؑ ۔ حضرت موسیٰؑ ۔ حضرت نوحؑ)

۲۔ حضور اکرمؐ کے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات کے موقع پر .... نازل ہوئی تھی۔ (سورۂ ابراہیم ۔ سورۂ علق ۔ سورۂ کوثر)

۳۔ ۱۴۵۳ء میں عثمانی سلطان .... نے قسطنطنیہ فتح کیا۔ (عثمان اول ۔ مراد اول ۔ محمد ثانی)

۴۔ مغل بادشاہ شاہ جہاں نے اپنی ملکہ ارجمند بانو کو .... کا خطاب دیا تھا۔ (نور محل ۔ ممتاز محل ۔ تاج محل)

۵۔ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح ۳۱ جولائی .... کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ (۱۸۹۰ء ۔ ۱۸۹۳ء ۔ ۱۸۹۵ء)

۶۔ سان فرانسسکو امریکی ریاست .... کا ایک بڑا شہر ہے۔ (واشنگٹن ۔ کیلیفورنیا ۔ فلوریڈا)

۷۔ دنیا میں سب سے لمبے قد کا جانور .... ہے۔ (اونٹ ۔ شتر مرغ ۔ زرافہ)

۸۔ جرمنی کے چانسلر ہٹلر نے خفیہ پولیس کی ایک تنظیم .... کے نام سے قائم کی تھی۔ (گستاپو ۔ سپارٹا ۔ چیکا)

۹۔ سید انوار حسین مشہور شاعر .... کا اصل نام ہے۔ (آرزو لکھنوی ۔ بہزاد لکھنوی ۔ صفی لکھنوی)

۱۰۔ وہ مختصر نام جو شعرا اپنے کلام کے آخر میں اصلی نام کے بجائے استعمال کرتے ہیں، اسے .... کہتے ہیں۔ (کنیت ۔ لقب ۔ تخلص)

۱۱۔ رومی ہندسوں میں ۲۰۰۰ کے عدد کو انگریزی کے حروف .... سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ (MM-XL-DC)

۱۲۔ ۱۹۶۵ء میں وفات پانے والی سیدنا طاہر سیف الدین داؤدی .... کے ۵۱ ویں سربراہ تھے۔ (داؤدی بوہرہ ۔ بہائی ۔ قادیانی)

۱۳۔ وینزویلا، براعظم .... جنوبی امریکا کا ایک ملک ہے۔ (شمالی امریکا ۔ جنوبی امریکا ۔ یورپ)

۱۴۔ انگریزی زبان میں "MUSTARD" .... کو کہتے ہیں۔ (السی ۔ سرسوں ۔ جو)

۱۵۔ اردو زبان کی ایک کہاوت: "کھودا پہاڑ نکلا ...." (چوزہ ۔ چوہا ۔ بھونرا)

۱۶۔ احمد ندیم قاسمی کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہل وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے .... کے ساتھ
(تعظیم ۔ احترام ۔ اعزاز)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۳۵ (جولائی ۲۰۱۵ء)

نام :

پتا :

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔جولائی ۲۰۱۵ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں اور صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (جولائی ۲۰۱۵ء)

عنوان :

نام :

پتا :

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ -جولائی ۲۰۱۵ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

نونہالوں کے لیے دلچسپ اور مفید کتابیں

وہ بھی کیا دن تھے

شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید نے اپنے بچپن کی باتیں بڑے مزے لے لے کر بیان کی ہیں۔ اپنی شرارتوں کا ذکر کیا ہے۔ تعلیم سے لے کر کھیل تک کے واقعات بیان کیے ہیں۔ یہ کتاب نہ صرف مزے دار اور سبق آموز ہے، بلکہ حکیم صاحب کی کام یاب شخصیت کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

صفحات : ۶۴ ——— قیمت : ۶۰ رُپے

جوہر قابل

مولانا محمد علی جوہر کی زندگی کے ولولہ انگیز حالات و واقعات جنھیں مسعود احمد برکاتی نے سہل، سلیس اور دل نشین انداز میں لکھا ہے۔ تیسرا ایڈیشن اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ سرورق پُرکشش۔

صفحات: ۶۴ ——— قیمت ۴۵ رُپے

ایڈیسن کا بچپن

بجلی کا بلب ایجاد کر کے پوری دنیا کو روشن کرنے والے سائنس داں کے بچپن کی کہانی، جس نے اور بھی سیکڑوں ایجادیں کیں۔ اس کتاب کی مؤلفہ گوہر تاج نے ایڈیسن کی جدو جہد اور جستجو کے سبق آموز اور حوصلہ پیدا کرنے والے سچے واقعات بیان کیے ہیں۔

صفحات : ۲۴ ——— قیمت : ۲۵ رُپے

عربی زبان کے دس سبق

مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کا صرف دس اسباق میں عربی زبان سکھانے کا نہایت آسان طریقہ۔ اس کے علاوہ رسالہ ہمدرد نونہال میں شائع کردہ عربی زبان سکھانے کا سلسلہ "عربی زبان سیکھو" بھی اس کتاب میں شامل ہے۔

صفحات : ۹۶ ——— قیمت : ۷۵ رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ ۷۴۶۰۰
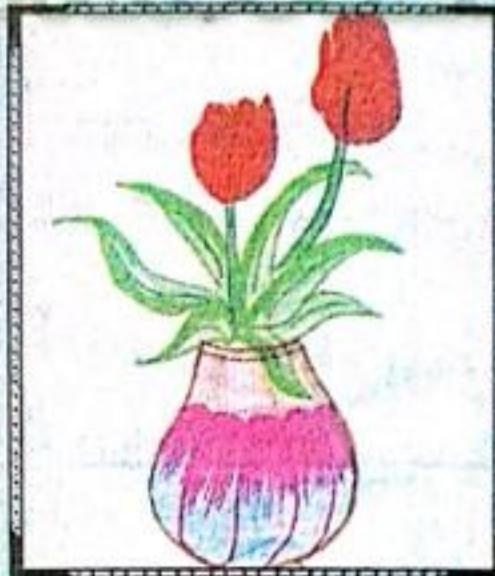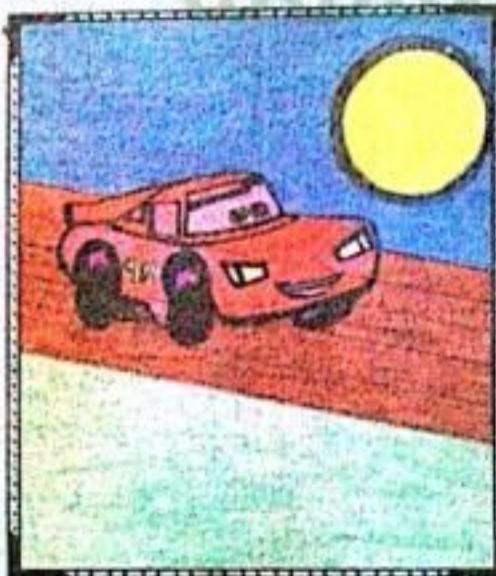
نونہال مصور

زین قریشی، فیصل آباد

عقیلہ شاہ، گاؤں مین دھری

طیبہ اقبال اشرفی، نارتھ کراچی

رضا اقبال اشرفی، نارتھ کراچی
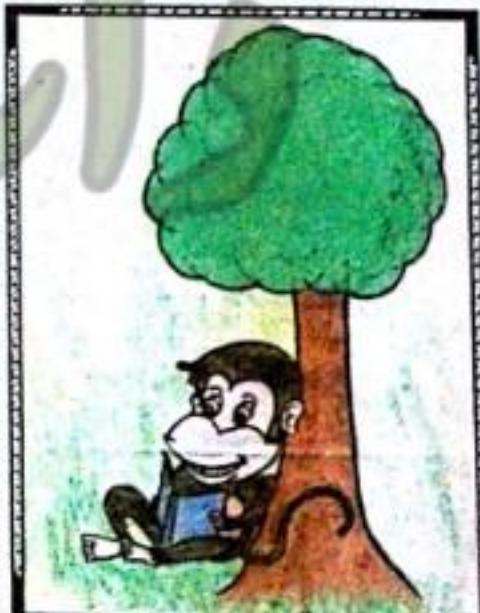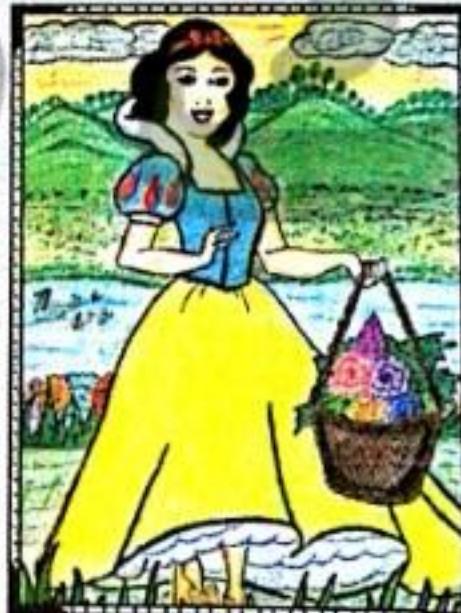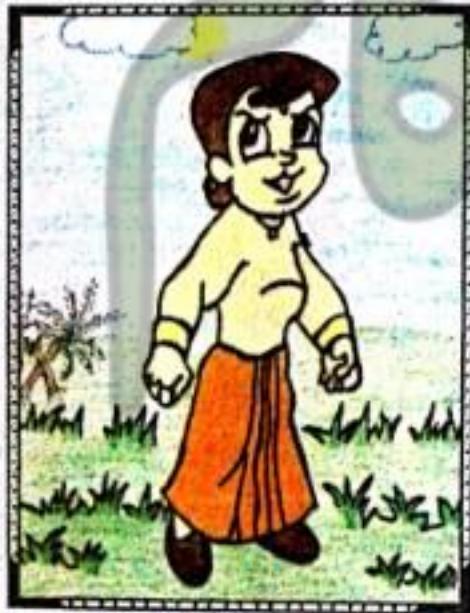
اسریٰ خان، کراچی

ثمیّہ وسیم، سکھر

سید محمد حمزہ انعام، کراچی

تصویر خانہ
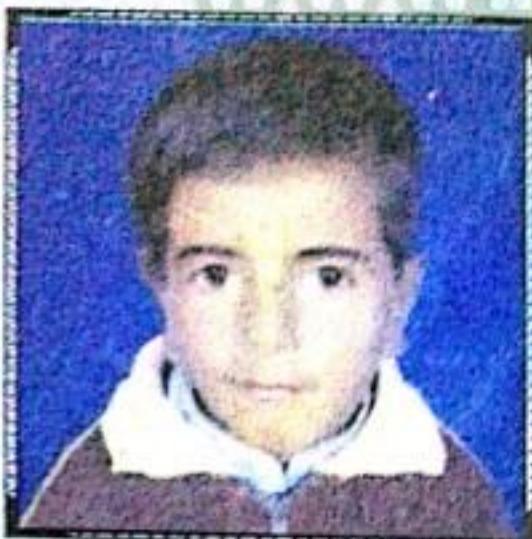
ریحان آصف بمجہ، علی پور

سلمان یوسف بمجہ، علی پور

عاشر عباس تاڑہ، اٹک
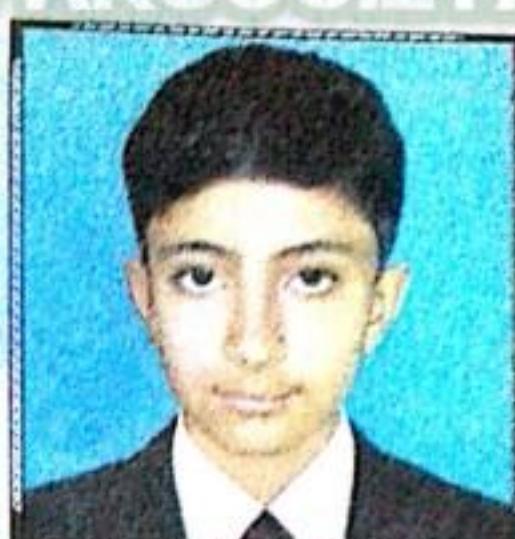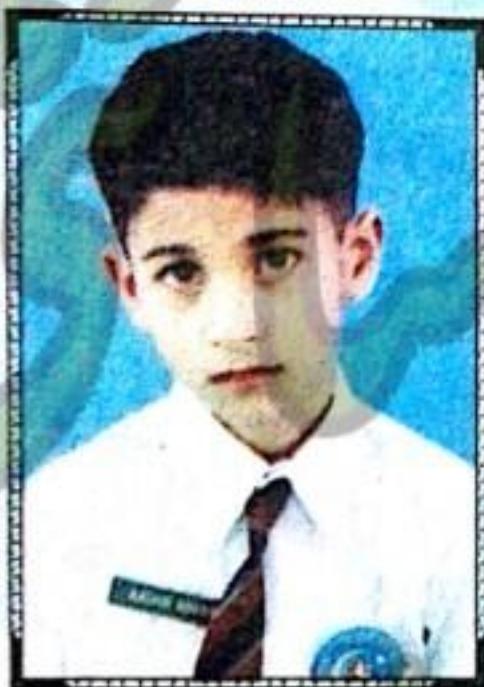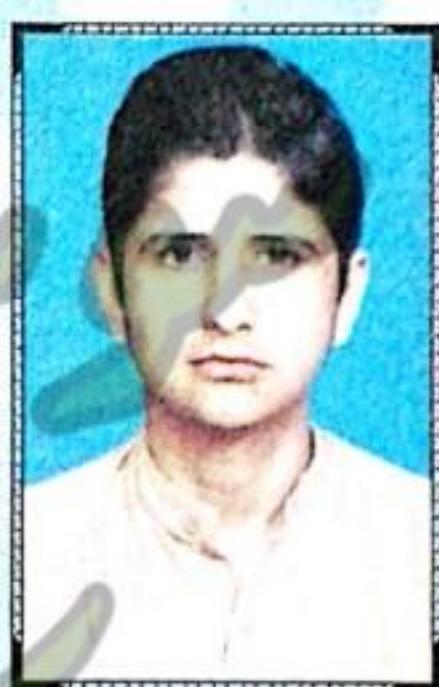
محمد طلحہ مغل، ڈگری
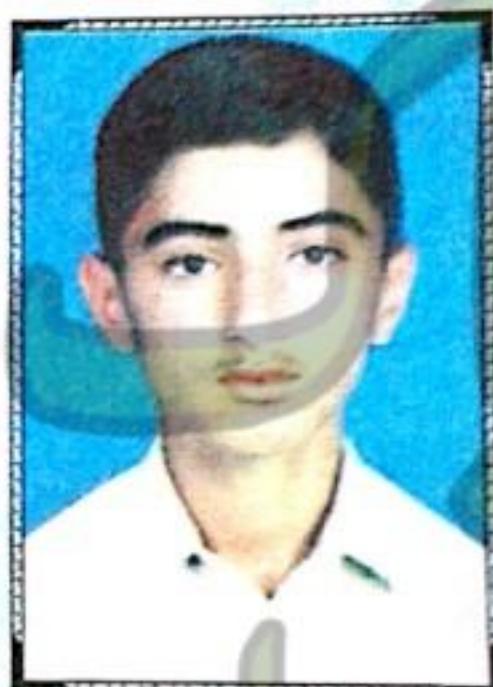
محمد عمر غوری، لاہور

احمد عبیدالرحمٰن، حیدرآباد

عبیدالرحمٰن، حیدرآباد

سید زیبان شاہد، سکھر
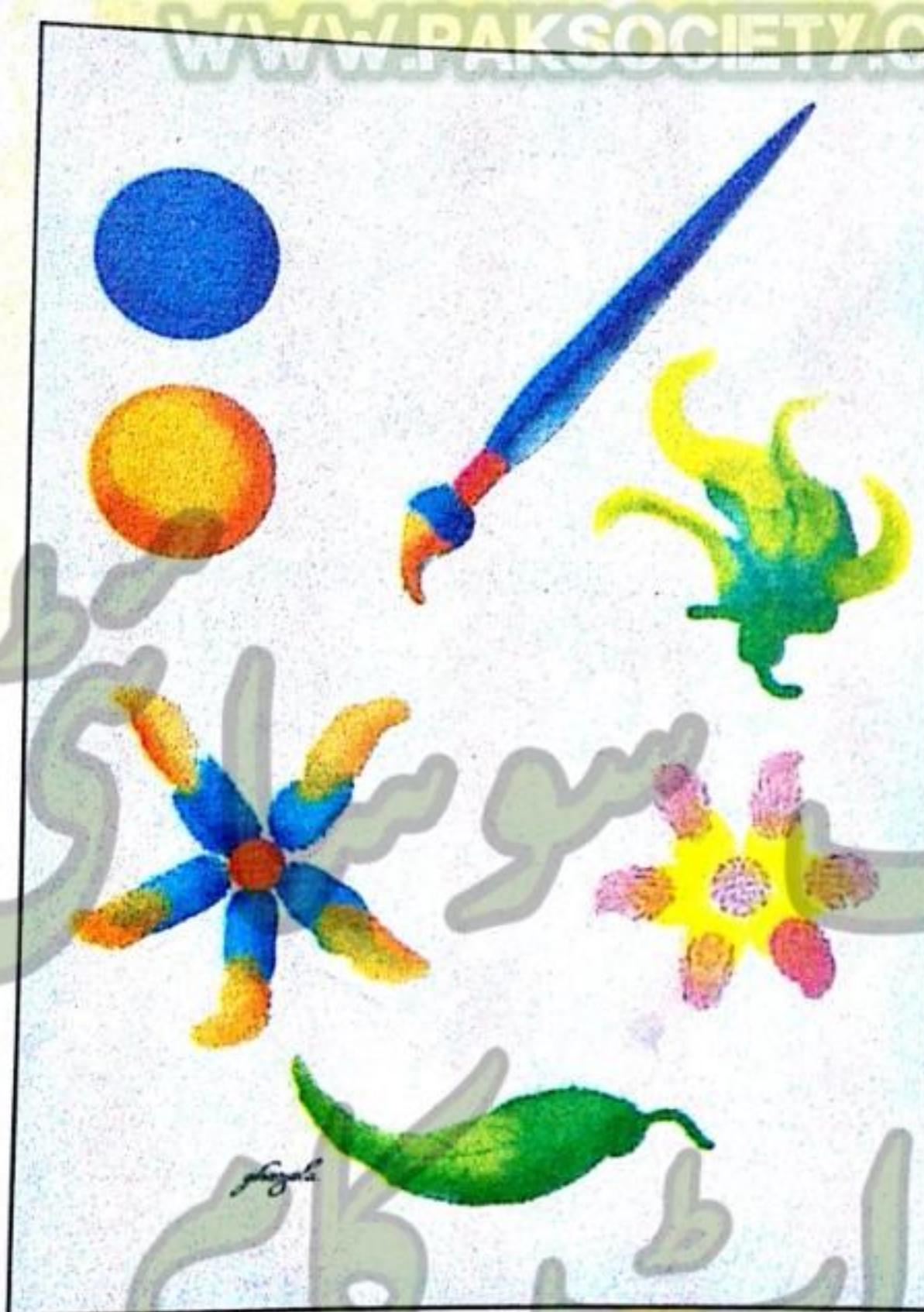
آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام

ڈرائنگ بنانے کے سلسلے میں ایک طریقہ برش اسٹروکس (BURSH STROKES) کہلاتا ہے۔ اس میں پوسٹر کلر استعمال ہوتے ہیں۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ برش پہلے ایک رنگ میں پوری طرح ڈبو لیا جاتا ہے اس کے بعد دوسرے رنگ میں آدھا برش ڈبویا جاتا ہے۔ اوپر تصویر میں نیلا اور زرد رنگ ایک برش پر لگا ہوا دکھایا گیا ہے اور چار نمونے بھی بنا کر دکھائے گئے ہیں۔ مثلاً ہرا اور پیلا، گلابی اور پیلا وغیرہ۔ آپ خود مختلف رنگوں کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ مشق کرتے رہیے۔ ☆

مسکراتی لکیریں
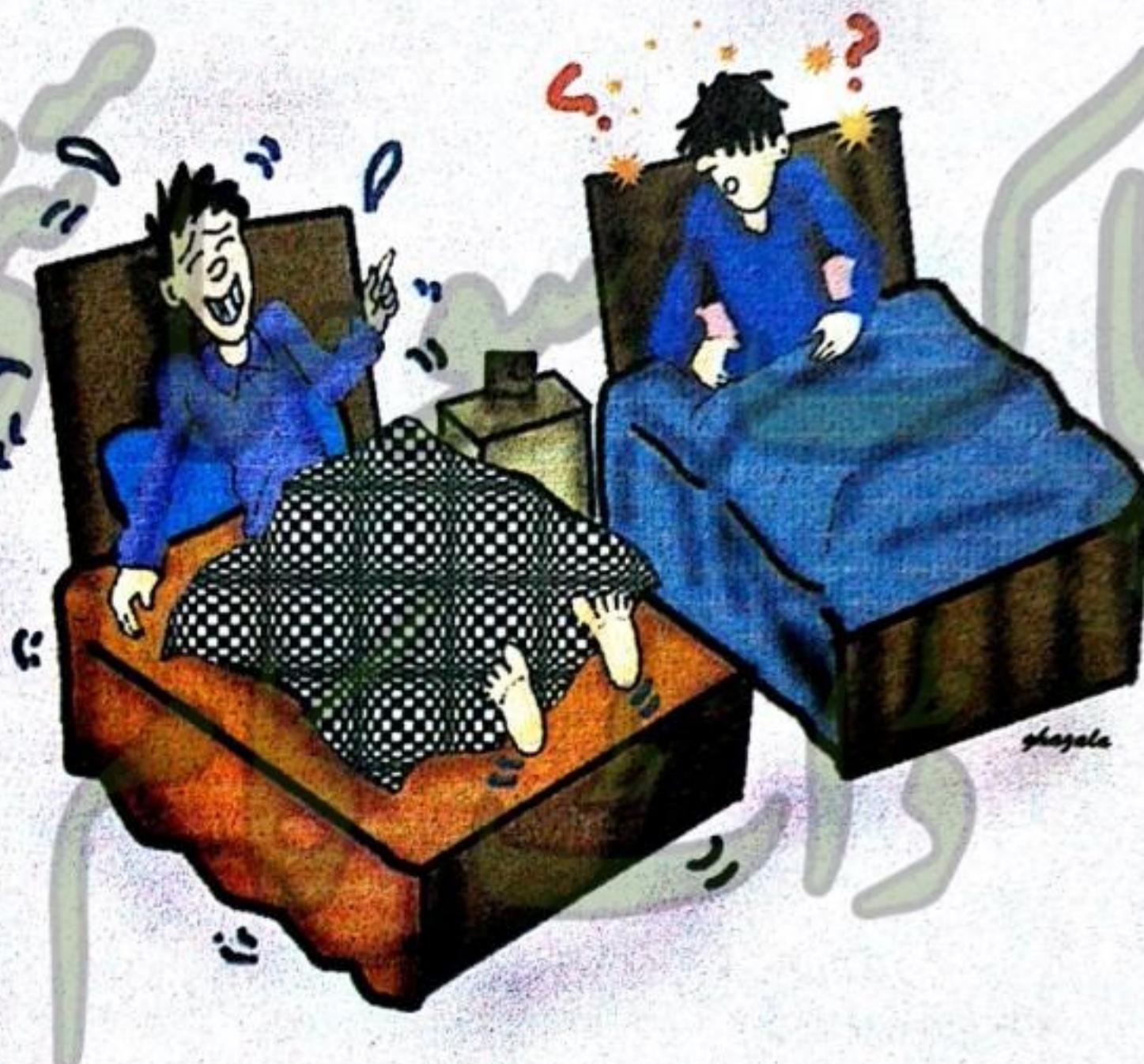
''ارے بھائی! اتنی رات کو زور زور سے کیوں ہنس رہے ہو؟''

''بھائی! دو دن پہلے جو تم نے لطیفہ سنایا تھا وہ میری سمجھ میں آج آیا ہے۔ ہا ہا ہا ہا۔''
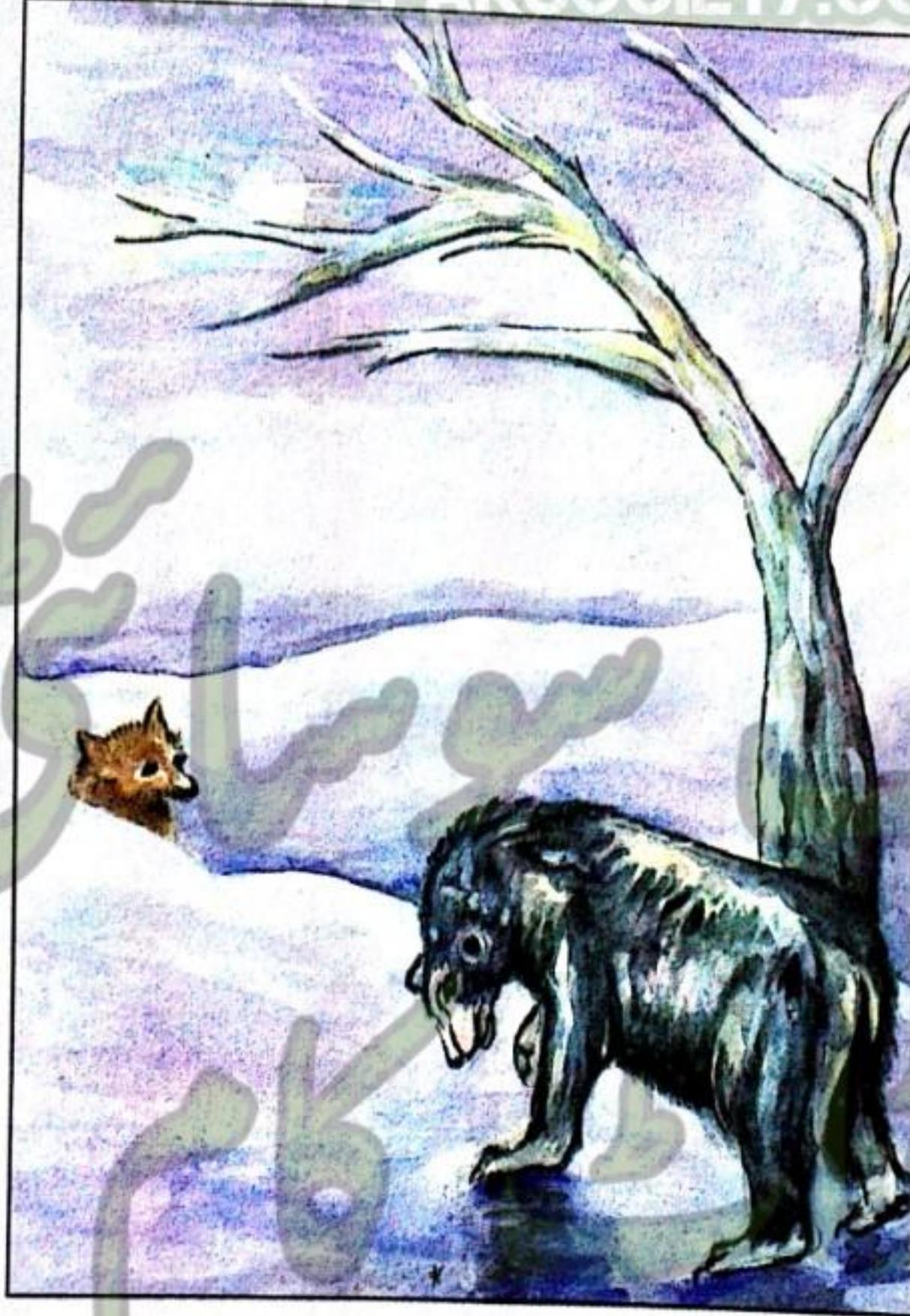
مچھلیوں کی تلاش

جاوید اقبال

وہ ایک برفانی ریچھ تھا، جو برف پر اِدھر اُدھر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ وہ بڑے غور سے برف پر نظریں جمائے چل رہا تھا۔ کسی کسی جگہ وہ رک کر کچھ سونگھتا اور پھر آگے چل پڑتا۔ اس وقت چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ دور دور تک برف ہی برف نظر آ رہی تھی۔ جہاں درخت اور جھاڑیاں تھیں، وہ جگہ بھی برف کے ٹیلوں کی طرح اُبھری ہوئی تھی۔

جو درخت ذرا اونچے تھے، ان کی پتوں سے محروم شاخیں بھی برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ ریچھ ایک جگہ پھر رکا، برف کو غور سے دیکھا، سونگھا اور پھر انکار میں سر ہلاتا ہوا آگے چل پڑا۔

قریب ہی موجود ایک لومڑی برف کے ایک ٹیلے کے پیچھے سے کافی دیر سے اس ریچھ کو کچھ تلاش کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ آخر اس سے رہا نہ گیا تو وہ چلتی ہوئی برفانی ریچھ کے پاس آ گئی، مگر ریچھ اپنی سوچوں میں اس قدر کھویا ہوا تھا کہ اسے لومڑی کے آنے کی خبر تک نہ ہوئی۔

''ریچھ بھائی! کیا تلاش کر رہے ہو؟'' آخر لومڑی نے پوچھ ہی لیا۔

ریچھ نے چونک کر سر اُٹھایا اور لومڑی کو دیکھ کر بولا: ''برف باری کے آغاز میں، میں نے یہاں تین مچھلیاں محفوظ کی تھیں، تا کہ شدید برف باری میں کھانے کے کام آ سکیں، مگر جہاں میں نے مچھلیاں برف میں دبائی تھیں، وہ جگہ اب نہیں مل رہی، نہ ان مچھلیوں کی بُو آ رہی ہے۔''

''برف کی تہ کئی فیٹ بلند ہو چکی ہے، پھر بھلا تمھیں ان مچھلیوں کی بُو کیسے آ سکتی ہے؟'' لومڑی نے ہنستے ہوئے کہا۔

ریچھ ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہاں ایک اُود بلاؤ بھی آ گیا۔ مچھلیوں کی بات سن کر وہ بھی ان کے ساتھ تلاش میں شامل ہو گیا۔

تلاش کرتے کرتے اچانک لومڑی کے ذہن میں ایک بات آئی، اس نے ریچھ سے پوچھا: ''ریچھ بھائی! جب تم نے مچھلیاں چھپائی تھیں تو کوئی نشانی تو رکھی ہو گی؟''

ریچھ نے کہا: ''یہ جو سامنے والا درخت ہے، یہی نشانی تھی، مگر اب یہ یاد نہیں آ رہا

کہ وہ جگہ درخت کے کس جانب تھی۔''

''جب تم نے مچھلیاں برف میں دبائی تھیں تو روشنی تمھارے آگے تھی یا پیچھے؟''

لومڑی نے ایک خیال کے تحت پوچھا۔

''روشنی میرے پیچھے تھی، کیوں کہ مجھے اپنا لمبا سایہ اپنے سامنے نظر آ رہا تھا۔''

ریچھ نے کچھ دیر سوچ کر جواب دیا۔

لومڑی نے سورج کی سمت کا اندازہ لگایا اور ایک جگہ رک کر اشارہ کیا: ''میرے

خیال میں مچھلیاں یہاں کسی جگہ ہو سکتی ہیں۔''

یہ سنتے ہی اُود بلاؤ ناک برف سے لگا کر سونگھنے لگا۔ اپنی تیز سونگھنے کی جس کی

بدولت جلد ہی اس نے مچھلیوں کا پتا چلا لیا۔

''مچھلیاں یہاں ہیں۔'' اس نے ایک جگہ رک کر کہا۔

ریچھ نے اپنے پنجے سے برف کھودنا چاہی، مگر برف کی تہ اوپر سے سخت ہو گئی تھی،

اس لیے وہ برف کھودنے میں ناکام رہا۔

''پیچھے ہٹو...... میرے پنجوں کے ناخن باریک اور تیز ہیں۔ میں برف کی سطح کو نرم

کر دوں گا۔ تم دونوں برف ایک طرف ہٹاتے جانا، یوں مچھلیاں نکل آئیں گی۔'' اود

بلاؤ نے کہا اور اپنے تیز ناخن سے برف کی سطح کو نرم کر دیا۔

لومڑی اور ریچھ برف ہٹانے لگے۔ کچھ ہی دیر میں وہاں برف کا ایک ڈھیر لگ

گیا۔ برف ہٹاتے ہٹاتے سردی کے باوجود ان تینوں کو پسینا آ گیا۔ ان کے بازو دُکھنے

لگے اور پنجے سُن ہو گئے، مگر انھوں نے ہمت نہ ہاری اور اپنا کام جاری رکھا۔

''یہ رہیں مچھلیاں ......'' اچانک اود بلاؤ نے نعرہ لگایا۔ ریچھ اور لومڑی نے آگے بڑھ کر گڑھے میں دیکھا۔ واقعی گڑھے میں تین مچھلیاں نظر آ رہی تھیں۔ ریچھ نے اپنا لمبا سا ہاتھ گڑھے میں ڈال کر مچھلیاں باہر نکال لیں۔ لومڑی اور اُود بلاؤ نے اپنے جسم اور بازوؤں سے برف کو جھاڑتے ہوئے کہا: ''بھائی! تمھاری مچھلیاں تمھیں مل گئیں، اب ہمیں اجازت دو۔''

یہ کہہ کر وہ دونوں چل پڑے۔ وہ سوچ رہے تھے، اب باقی رات انھیں سردی میں ٹھٹڑتے ہوئے خوراک تلاش کرنی پڑے گی۔

''ٹھیرو بھئی۔'' اچانک انھیں ریچھ نے پکارا۔ وہ واپس آئے تو اس نے کہا: ''یہ مچھلیاں اب صرف میری نہیں ہیں۔ تم لوگ بھی ان میں حصے دار ہو۔ میں اکیلا یہ مچھلیاں برف سے نہیں نکال سکتا تھا۔ یہ تم لوگوں کی مدد ہی سے ممکن ہوا ہے۔''

پھر اس نے لومڑی سے کہا: ''تمھاری عقل مندی اور اُود بلاؤ کی سونگھنے کی تیز حِس کی وجہ سے ہی مچھلیوں تک ہماری رسائی ہو سکی۔''

ریچھ نے ایک بڑی مچھلی اپنے لیے رکھ لی۔ درمیانی دو مچھلیاں لومڑی اور اُود بلاؤ کو دے دیں۔ لومڑی اور اُود بلاؤ مچھلیاں پا کر بہت خوش ہوئے۔

انھوں نے ریچھ بھائی کا شکریہ ادا کیا اور خوشی خوشی اپنے گھروں کو چل دیے۔ جاتے ہوئے وہ سوچ رہے تھے کہ واقعی محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

☆☆☆

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

عبدالرؤف سمرا، خانیوال
عروبہ محمد شریف، کراچی
ایمان شاہد، جہلم
حفصہ سیماب، کراچی
محمد الیاس چنا، بیلا
محمد اجمل شاہین انصاری، لاہور
ارسلان اللہ خان، حیدر آباد
کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

سارہ کی بلی

عبدالرؤف سمرا، خانیوال

میری سارہ نے بلی اک پالی
تھوڑی بھوری تھی، تھوڑی سی کالی
دودھ وہ سارا ہی پی جاتی تھی
روز سارہ سے مار کھاتی تھی
چوہے سب ہی دبک کے رہتے تھے
گھر کی چیزوں کو کچھ نہ کہتے تھے
ساتھ سارہ کے روز سوتی تھی
نہ سلائے تو بلی روتی تھی
سارہ اک دن اسکول سے آئی
بلی موجود گھر میں نہ پائی
بلی پہ جو بیماری تھی آئی
مانو بی اس سے بچ ہی نہ پائی
اب وہ افسوس کرتی رہتی ہے
بات بے بات روتی رہتی ہے

گلاب کی کاشت

ایمان شاہد، جہلم

گلاب کو پھولوں کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ باغ میں ہزار قسم کے پھول ہوں، لیکن گلاب نہ ہو تو باغ بے رونق نظر آتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ گلاب کا پھول خوش نما بھی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ خوش بودار اور فائدہ مند بھی۔

کہتے ہیں کہ ہندستان میں گلاب کا پودا مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر لایا تھا اور اس کا عطر نکالنے کی ترکیب نورالدین جہانگیر کی

ملکہ نور جہاں نے ایجاد کی تھی۔ گلاب کے پودے صرف شوقیہ ہی نہیں لگائے جاتے، بلکہ اس کی کاشت تجارتی مقصد سے بھی ہونے لگی ہے۔ لوگ اس کی کاشت سے لاکھوں روپے کما رہے ہیں۔ تجارتی لحاظ سے ہمارے ملک میں خوش بو دار سرخ گلاب کی کاشت سب سے نفع بخش ہے۔ دوسری قسم کے گلاب عموماً صرف خوش رنگ اور خوش نما ہوتے ہیں، مگر خوش بودار نہیں ہوتے یا پھر کسی خاص موسم میں کھلتے ہیں۔

خوش بو دار سرخ گلاب کی خصوصیت یہ ہے کہ سارا سال کھلتا ہے۔ بلوچستان کی آب و ہوا گلاب کی کاشت کے لیے خاص طور پر موافق ہے۔ یہاں گلاب کے وسیع و عریض باغات ہیں، جن کا منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اور جن کی خوش بو سے پورا علاقہ مہکتا ہے۔

طاقت ور کون؟

محمد الیاس چنا، بیلا

ایک دن شیر درخت کے نیچے آرام کر رہا تھا۔ وہاں ایک خرگوش پہنچ گیا اور کہا: ''شیر خان! میں تم سے زیادہ طاقت ور ہوں۔''

شیر نے کہا: ''وہ کیسے؟ کچھ کر کے دکھاؤ تو میں مانوں۔''

خرگوش ٹہلتے ہوئے تالاب کی طرف چلا گیا، جہاں مگر مچھ لیٹا ہوا تھا خرگوش نے کہا: ''اے مگر مچھ! میں تم سے زیادہ طاقت ور ہوں۔''

وہ کیسے، کچھ کر کے دکھاؤ؟'' مگر مچھ بولا۔

خرگوش ایک رسی لے آیا، جس کا ایک سرا اس نے شیر خان کے پاؤں سے باندھ دیا اور شیر خان سے کہا: ''تم یہاں سے زور لگاؤ، میں دوسری طرف سے زور لگاؤں گا۔''

خرگوش وہاں سے کھسک گیا اور مگر مچھ کی دُم سے رسی کا دوسرا سرا باندھا اور کہنے لگا: ''مگر مچھ! تم یہاں سے زور لگاؤ اور میں دوسری طرف سے زور لگاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر خرگوش وہاں سے بھی کھسک گیا اور وہ دونوں زور لگانے لگے۔ وہ دونوں حیران تھے،

کیوں کہ وہ ذرا بھی ہل نہیں پا رہے تھے۔ آخر صبح سے شام تک وہ زور لگاتے رہے، مگر اپنی جگہ سے نہ ہل سکے۔ آخر تھک ہار کر بیٹھ گئے۔

اب خرگوش شیر خان کے پاس پہنچا اور رسی کھولتے ہوئے بولا: "ہاں بھئی، آپ نے مان لیا مجھے طاقت ور؟"

"ہاں، ہاں۔" شیر خان نے ہانپتے ہوئے کہا۔

وہاں سے خرگوش، مگرمچھ کے پاس گیا اور اس کی بھی رسی کھولی اور پوچھا: "ہاں جناب! کون طاقت ور ہے؟"

ہاں بھئی، تم زیادہ طاقت ور ہو۔" مگرمچھ اپنا پسینا پونچھتے ہوئے بولا۔

بارش آئی

ارسلان اللہ خان، حیدرآباد

دیکھو ، دیکھو بارش آئی
کتنا اچھا موسم لائی
پھول چمن میں مہک رہے ہیں
خوب پرندے چہک رہے ہیں
پرنالے ہیں یا فوارے
تم بھی دیکھو یہ نظارے
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلی ہے
ہر شے جیسے دُھلی دُھلی ہے
بچے دیکھو نہا رہے ہیں
گرمی کو یہ بھگا رہے ہیں
آؤ چلو ، بازار کو جائیں
گرما گرم سموسے لائیں
ہم کو ملی کیسی یہ نعمت
بارش اللہ کی ہے رحمت

نیکی کبھی رایگاں نہیں جاتی

عروبہ محمد شریف، کراچی

پرانے زمانے کی بات ہے۔ ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک لڑکا عبدالرحمٰن رہتا تھا۔ عبدالرحمٰن بہت طاقت ور، رحم دل اور نیک لڑکا تھا۔ عبدالرحمٰن کا ایک بہت گہرا دوست شاہ میر تھا۔ شاہ میر کی ماں مرچکی تھی۔ باپ بوڑھا، کم زور اور بیمار تھا۔

ایک دن عبدالرحمٰن بچوں کے ساتھ کھیل رہا

تھا کہ شاہ میر کے پڑوسی چچا معراج، عبدالرحمٰن کے پاس دوڑے دوڑے آئے اور کہا: "بیٹا! شاہ میر کے ابو کی طبیعت اچانک بہت خراب ہوگئی ہے۔ میں حکیم صاحب کو بُلا کر لایا ہوں۔"

یہ سن کر عبدالرحمٰن، شاہ میر کے گھر پہنچا۔ شاہ میر اپنے ابو کے پاس بیٹھا ان کے ہاتھ پاؤں دبا رہا تھا۔ عبدالرحمٰن نے حکیم صاحب سے پوچھا: "حکیم صاحب! شاہ میر کے ابو کو کیا ہوا؟"

حکیم صاحب نے کہا: "بیٹا! ان کا مرض بہت پرانا ہے۔ اس کے لیے کچھ خاص جڑی بوٹیوں کی ضرورت ہے، جو اس بستی میں ملنا ممکن نہیں۔ یہ جڑی بوٹیاں صرف جنگل میں مل سکتی ہیں۔ ان جڑی بوٹیوں کے بغیر ان کا علاج ناممکن ہے۔"

عبدالرحمٰن نے کہا: "وہ جڑی بوٹیاں میں لاؤں گا۔"

شاہ میر نے کہا: "میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا۔"

وہ دونوں چل پڑے۔ جنگل شروع ہوتے ہی اچانک وہاں بہت سے جنگلی انسان جمع ہوگئے اور کہا: "تم یہاں کیوں آئے ہو اور یہ جڑی بوٹیاں تم یہاں سے نہیں لے کر جا سکتے۔"

جنگلی، عبدالرحمٰن اور شاہ میر کو اپنے سردار کے پاس پکڑ کر لے گئے۔ دونوں کو الگ الگ جگہ قید کر دیا۔ دوسرے دن صبح سردار نے عبدالرحمٰن سے کہا: "میں تجھے اور تیرے دوست کو چھوڑ دیتا، مگر تمھارے گاؤں کے سردار نے ہمارے پانی کی ندی کا رُخ موڑ دیا ہے۔ اب ہم قطرہ قطرہ پانی کے لیے ترس رہے ہیں۔ اب میں تمھارے سردار کا بدلہ تم سے لوں گا۔ واپس جانے کی ایک ہی ترکیب ہے کہ مجھ سے تلوار بازی کا مقابلہ کرو۔ جیت گئے تو تم کو چھوڑ دوں گا۔"

سردار اور عبدالرحمٰن لڑنے لگے۔ سردار نے عبدالرحمٰن سے اس کی تلوار چھین لی اور اس کی طرف حملہ کرنے کو دوڑا کہ اچانک

عبدالرحمٰن نے دیکھا کہ سردار کے پاؤں کے قریب ایک سانپ ہے۔ وہ سانپ سردار کو ڈسنے ہی والا تھا کہ عبدالرحمٰن نے وہ سانپ اُٹھا کر دور پھینک دیا۔

سردار نے جب یہ دیکھا تو بولا: ''اے لڑکے! میں تو تم پر حملہ کرنے والا تھا۔ اس وقت میں تمھارا سب سے بڑا دشمن تھا۔ پھر تم نے میری جان کیوں بچائی؟''

عبدالرحمٰن نے کہا: ''میری ماں ہمیشہ کہتی ہے کہ بدی کا بدلہ بدی سے نہیں، بلکہ نیکی سے دینا چاہیے۔''

سردار نے تین بار تالی بجائی اور ایک طرف ہوگیا۔ عبدالرحمٰن نے دیکھا کہ پیچھے شاہ میر کھڑا تھا۔ سردار نے کہا: ''اے لڑکے! تم بہت اچھے ہو۔ میں بہت خوش ہوں۔ اپنے دوست کو لے جاؤ اور جڑی بوٹیاں لے کر جلدی سے گھر پہنچو۔ عبدالرحمٰن نے کہا: ''شکریہ سردار! میں اپنے سردار سے آپ کے پانی کے مسئلے پر بات کروں گا۔ وہ ضرور بات سنیں گے۔''

وہ دونوں گھر پہنچے اور شاہ میر کے باپ کا علاج شروع ہوگیا اور کچھ ہی دنوں میں وہ ٹھیک ہوگئے۔ عبدالرحمٰن نے اپنے سردار سے بات کی اور نہر کا رخ واپس جنگل کی طرف کر دیا گیا۔ عبدالرحمٰن اور شاہ میر کبھی کبھی جنگل کے سردار سے ملنے جاتے تو سردار ان کی بہت عزت کرتا تھا۔

پختہ عزم

حفصہ سیماب، کراچی

تیرہ سالہ فیضان کافی دیر سے پین اور کاغذ ہاتھ میں پکڑے کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ ہر چند منٹ بعد صفحہ پھاڑتا اور قریب رکھی ٹوکری میں ڈال دیتا۔ پھر کچھ دیر سوچتا اور لکھنا شروع کر دیتا مگر وہی حال۔ اگلے چند منٹ میں وہ صفحہ پھٹا ہوا ہوتا۔ پھاڑے ہوئے صفحات کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کی امی دور بیٹھی کسی میگزین کا مطالعہ کر رہی

تھیں، مگر ساتھ ساتھ بیٹے کی حرکات پر بھی ایک آدھ نظر ڈال لیتیں۔ کافی دیر گزر گئی۔ آخران سے رہا نہ گیا تو انھوں نے فیضان کو اپنے پاس بلا کر بٹھاتے ہوئے محبت سے پوچھا: ''کیا بات ہے؟ آج میرا بیٹا کیا لکھنے کی کوشش کر رہا ہے؟''

فیضان نم آنکھوں اور بسورتے ہوئے منھ کے ساتھ امی کے پاس بیٹھ گیا: ''آپ جانتی تو ہیں امی! مجھے لکھنے کا کتنا شوق ہے، مگر کیا کروں مجھ سے، اچھی کہانی لکھی ہی نہیں جاتی۔ ہماری کلاس کے کچھ بچے اتنی اچھی کہانیاں لکھ لیتے ہیں کہ ان کی کہانیاں ماہ نامہ بلبل میں اکثر چھپتی ہیں۔''

''اوہو! تو یہ معاملہ ہے۔'' امی نے مسکراتے ہوئے کہا: ''میں خود تمھیں لکھنا سکھاؤں گی۔ اچھا ہاں، یہ تو بتاؤ تم کس موضوع پہ لکھ رہے ہو؟''

''موضوع؟'' فیضان نے حیرت سے بڑبڑاتے ہوئے کہا: ''مگر امی! میں تو کہانی لکھ رہا ہوں۔ موضوع کا کیا کام؟''

''بیٹا! پھر کیسے کہانی لکھ رہے ہو، جب تمھیں موضوع کا ہی نہیں پتا۔'' امی نے میگزین میں سے بچوں کے صفحات کھولتے ہوئے ایک کہانی فیضان کو بلند آواز سے پڑھنے کے لیے دی۔ فیضان کہانی پڑھنے لگا۔ جب کہانی مکمل ہوگئی تب امی بولیں: ''اب بتاؤ یہ کس موضوع پہ ہے؟ اور اس میں کیا سبق دیا گیا ہے؟''

''اوہو، امی! یہ تو بڑی آسان سی بات ہے۔'' فیضان کے چہرے پہ رونق آ گئی: ''یہ کہانی میں اپنے انداز میں لکھ لیتا ہوں، ہے نا!''

''بُری بات! کہانی نقل نہیں کرتے، بلکہ صرف موضوع کو دیکھنا چاہیے۔'' امی نے اُنگلی سے منع کرتے ہوئے کہا۔

فیضان کا چہرہ لٹک گیا، مگر وہ خاموش

رہا۔ امی نے فیضان کو اُداس دیکھتے ہوئے خود ہی بتانا شروع کیا: ''بیٹا! اس سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ والدین کی نافرمانی کرنے والے کبھی کام یاب نہیں ہوتے۔ اب اس موضوع پر خود اچھی سی کہانی لکھ لو۔ مثلاً ایک بچہ اپنے والدین کی بات نہیں مانتا۔ ہر کام میں ضد کرتا ہے۔ ان کی چھت پر اونچی دیوار نہیں تھی اور وہ امی کے منع کرنے کے باوجود چھت پہ چڑھ کر پتنگ اُڑانے چلا گیا۔ بے خیالی میں نیچے گر گیا۔ کافی چوٹیں آئیں اور ایک ٹانگ بھی ٹوٹ گئی۔ اب اس کو اچھے انداز میں لکھو۔ میں ذرا گھر کے کام نمٹا لوں۔''

اب فیضان کے ہاتھ ایک موضوع آ گیا تھا۔ اس نے پُر جوش انداز میں کہانی لکھنی شروع کی۔

''بیٹا! کہانی لکھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کر لینا کہ اچھی کہانی لکھی جائے۔ پھر بسم اللہ پڑھ کر لکھنا شروع کرنا۔'' امی نے کچن سے آواز لگائی۔

فیضان سر ہلاتے ہوئے کہانی لکھنے لگا۔ امی جب کام سے فارغ ہو کر آئیں تو فیضان نے کہانی ان کے سامنے رکھ دی۔ امی نے کہانی پڑھی اور چند جگہوں پہ الفاظ بدلے۔ چند جگہوں سے جملے ہٹا دیے۔ فیضان خاموشی سے یہ سب دیکھتا رہا۔

''اب ایسا کرو، اس کو دراز میں رکھ دو۔ پرسوں دیکھیں گے۔''

امی کی بات پہ فیضان پریشان ہو گیا: ''مگر امی اس طرح تو دیر ہو جائے گی۔''

''نہیں بیٹا! کہانی لکھ کے فوراً نہیں بھیجتے۔ ایک دو دن ٹھیر کر اس کو اطمینان سے پھر پڑھتے ہیں۔ اگر اس میں کوئی جھول رہ گیا ہو تو اس کو درست کیا جا سکتا ہے۔ لکھ کے فوراً بھیج دیں تو اس وقت غلطیاں نظر نہیں آتیں۔ ایسا کرو، ان دو

دنوں میں تم کوئی اور اچھی سی کہانی لکھو۔ اس طرح کسی سبق کو اور کسی اچھے سے موضوع کو سامنے رکھ کے۔ ٹھیک ہے نا!'' امی نے فیضان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

تیسرے دن امی نے کہانی نکلوائی اور فیضان سے پڑھوانے لگیں۔ اس طرح چند اور غلطیوں کی اصلاح ہوگئی۔ فیضان نے اس دن کہانی صاف صاف لکھ کر رسالے کو بھیج دی۔ آئندہ شمارے میں اس کی کہانی شائع ہو چکی تھی۔

فیضان خوشی سے جھوم اُٹھا: ''امی! اب میں لکھ سکتا ہوں نا! یہ دیکھیں، یہ شائع ہوگئی ہے میری کہانی!''

امی نے مسکراتے ہوئے فیضان کو شاباش دی اور کہا: ''اب اس کو پڑھو۔''

فیضان نے کہانی پڑھی تھی کہ امی نے ایک بار اور پڑھنے کو کہا، پھر تیسری بار پڑھوانے لگیں تو فیضان اُکتا گیا: ''امی! یہ تو میں نے خود لکھی ہے۔ آپ مجھے ہی پڑھوا رہی ہیں۔ جب کہ مجھے معلوم ہے کہ میں نے اس میں کیا لکھا ہے۔''

''بیٹا! وہی تو آپ کو سمجھا رہی ہوں۔'' امی مسکراتے ہوئے بولیں: ''غور سے پڑھو! یہ دیکھو کہ تم نے جس انداز میں لکھی تھی، ویسے ہی شائع ہوئی ہے یا اس میں کچھ کمی بیشی کی گئی ہے؟''

اب کی بار جب فیضان نے غور سے پڑھا تو اس کو اندازہ ہوگیا کہ کسی جگہ جملوں کی ترتیب بدلی گئی ہے۔ کسی جگہ الفاظ بدل دیے گئے تھے اور کسی جگہ پوری پوری عبارت بھی غائب تھی۔ اس طرح فیضان کی کہانی جو کہ خاصی لمبی تھی، اب مختصر ہو چکی تھی۔ مختصر ہو کر وہ زیادہ اچھی لگ رہی تھی اور روانی بھی پہلے کی نسبت بہتر ہوگئی تھی۔

''ہاں بیٹا! اب اندازہ ہوا کہ کہانی لکھنا تو ہمارا کام ہے، مگر اس کے بعد

درست کر کے شائع کرنا مدیر کا کام ہے۔ یہ ان کا احسان ہے۔''

فیضان کے دل میں چند لمحے پہلے آنے والا غرور آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا۔

''بیٹا! اصل اہمیت سبق کی ہوتی ہے۔ بڑے بڑے جملے لکھے ہوں اور آخر میں سبق اچھا نہ ہو تو کہانی کبھی شائع نہیں ہوتی۔ یہ جو تمھاری کہانی شائع ہوئی ہے، اس میں الفاظ کی بہت سی غلطیاں تھیں، مگر سبق اچھا تھا، اس لیے مدیر نے اصلاح کر کے شائع کر دیا۔''

فیضان بہت غور سے امی کی بات سن رہا تھا۔

امی نے پھر کہا: ''جب بھی تمھاری کوئی کہانی شائع ہو، اس کو غور سے پڑھا کرو۔ کم از کم دو بار ضرور پڑھو۔ اس سے بھی تمھیں اپنی غلطیوں کا اندازہ ہو جائے گا اور آیندہ ایسی غلطیوں سے بچ جاؤ گے اور ہاں، کہانی شائع کروانا کمال نہیں اصل کمال تو یہ ہے کہ اس میں کوئی اچھا سا سبق ہو، جس سے دوسروں کو فائدہ ہو۔ محض شہرت کے لیے لکھنا کوئی اچھی بات نہیں، بلکہ اس کو بُرا سمجھنا چاہیے۔''

فیضان امی کی باتیں غور سے سن رہا تھا اور آیندہ نمود و نمایش اور محض شہرت کے لیے لکھنے سے توبہ کر چکا تھا۔ ساتھ میں غرور سے بچنے کا بھی عزم تھا، پختہ عزم۔

نادان مداری

محمد اجمل شاہین انصاری، لاہور

اک نادان مداری دیکھو
بندر کی سواری دیکھو
مرغا ٹھم ٹھم کرتا ہے
بکرے کی آزادی دیکھو
آنکھوں سے ہی گھور رہا ہے
بندریا کا شکاری دیکھو
سانپ کھڑا ہے پھن پھیلائے
پاس ہی اس کی پٹاری دیکھو

بندر کو پستول دکھائے
شکاری کی مکاری دیکھو
ریچھ بھی ناچ دکھاتا ہے
اس کی سب تیاری دیکھو
سب کا کام اچھوتا ہے
ہر کردار نیاری دیکھو

خبط الحواس کون؟

کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

سر آئزک نیوٹن سترھویں صدی عیسوی میں انگلستان کے مشہور فلسفی سائنس داں گزرے ہیں۔ ان کے بعض نظریات حیرت انگیز انکشافات کا باعث بنے تھے۔ ایک جگہ انھوں نے بطور پیشن گوئی لکھا ہے کہ مستقل قریب میں ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ جب انسان پچاس میل فی گھنٹا کی رفتار سے سفر کرنے لگے گا۔ اس وقت بظاہر یہ بات ناممکن اور ناقابلِ یقین تھی، کیوں کہ اس دور میں بھاپ یا بجلی کی قوتوں سے انسان ناواقف تھا، لہٰذا نیوٹن کا بہت مذاق اُڑایا گیا۔

نیوٹن ہی کے زمانے میں فرانکوئس والٹئیر نے جو فرانس کے زبردست فلسفی، مورخ، شاعر اور ناول نویس گزرے ہیں اور لامذہب ہونے کے باوجود "سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم" لکھ کر نام پیدا کر چکے تھے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: "غور کیجیے! نیوٹن جس کی دماغی کوششوں نے کشش ثقل کے نظریے اور دوسری مفید معلومات سے دنیا کے سامنے غور و فکر کی نئی راہیں کھولی تھیں، بڑھاپے میں خبط الحواس ہو گیا اور کہنے لگا کہ آیندہ انسان پچاس میل فی گھنٹے کی رفتار سے سفر کرنے لگے گا۔ غیر ممکن اور ناقابلِ یقین بات ہے۔"

کاش آج والٹیئر زندہ ہوتا تو اس سے دریافت کیا جاتا کہ حقیقت میں خبط الحواس کون ہے؟

☆☆☆

جوابات معلوماتِ افزا - ۲۳۳

سوالات مئی ۲۰۱۵ء میں شایع ہوئے تھے

مئی ۲۰۱۵ء میں معلومات افزا-۲۳۳ کے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے جوابات ذیل میں لکھے جارہے ہیں۔ ۱۶ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس لیے ان سب نونہالوں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے انعام یافتہ نونہالوں کو ایک کتاب بھیجی جارہی ہے۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جارہے ہیں۔

۱۔ ابوالبشر حضرت آدمؑ کو کہا جاتا ہے۔

۲۔ حضورِ اکرمؐ کے پہلے صاحبزادے کا نام حضرت قاسم تھا۔

۳۔ ''سلطان المشائخ'' اور ''محبوبِ الٰہی'' حضرت نظام الدین اولیاؒ کے القاب تھے۔

۴۔ مغل بادشاہ ہمایوں نے جلاوطنی کے پندرہ سال ایران میں گزارے۔

۵۔ شیرِ بنگال مولوی فضل حق نے ۱۹۶۲ء میں وفات پائی۔

۶۔ خلا میں سب سے پہلا مصنوعی سیارہ روس (سوویت یونین) نے چھوڑا تھا۔

۷۔ پاکستان کے سب سے لمبے قد والے انسان محمد عالم چنا تھے۔

۸۔ حکیم اجمل خاں کی فرمائش پر ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی نے اجملین کے نام سے ایک دوا بنائی تھی۔

۹۔ جانوروں میں کچھوے کی عمر سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

۱۰۔ نظامِ شمسی میں سورج کا سب سے قریبی سیارہ عُطارِد ہے۔

۱۱۔ ''دنیا گول ہے'' یہ بات سب سے پہلے فیثا غورث نے کہی تھی۔

۱۲۔ ''دنیا گول ہے'' اس نام سے ایک سفرنامہ ابنِ انشا کی تصنیف ہے۔

۱۳۔ دنیا کا سب سے بڑا پرندہ شتر مرغ ہے، جو اُڑ نہیں سکتا۔

۱۴۔ اسلامی ملک شام کی کرنسی پاؤنڈ کہلاتی ہے۔

۱۵۔ اردو زبان کی ایک کہاوت: ''سیدھی انگلیوں گھی نہیں نکلتا۔''

۱۶۔ مرزا غالب کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

غالب بُرا نہ مان، جو واعظ بُرا کہے　　ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے؟

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے پندرہ خوش قسمت نونہال

☆ کراچی: سیدہ جویریہ جاوید، عروبہ منیر، سید احمد وقار، محمد آصف انصاری، ہانیہ شفیق

☆ پشاور: محمد حمدان ☆ حیدرآباد: حیان کاشف، ماہ رخ ☆ بے نظیر آباد: محمد سلیم سعید خانزادہ

☆ آزاد کشمیر: شہریار احمد چغتائی ☆ لاڑکانہ: معتبر خان ابڑو ☆ راولپنڈی: کومل سلیم

☆ میر پور خاص: عائشہ مصطفیٰ گل ☆ سانگھڑ: محمد ثاقب منصوری ☆ لاہور: روحانہ احمد

۱۶ درست جوابات دینے والے نونہال

☆ کراچی: سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ مریم محبوب، سید عفان علی جاوید، سید شمظل علی اظہر، سید باذل علی اظہر، رخشی آفتاب، انظر سعید عالم، عزہ رفیق چنہ، عصمیٰ رفیق چنہ، عبدالودود، ناعمہ تحریم، خضریٰ بتول، حماد عاصم، شاہ محمد ازہر عالم، مسکان فاطمہ ☆ پشاور: مس حانیہ شہزاد ☆ حیدرآباد: مدیحہ حسین، صبا سعید ☆ بھکر: محمد مجیر خان، ملک محمد ارسلان اسلم ☆ ٹنڈو جام: شبیہہ جاوید ☆ خوشاب: محمد قمر الزماں۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ کراچی: مریم فاطمہ، مصطفیٰ ادریس، ماریہ عبدالغفار، سیدہ اریبہ بتول، علیزہ سہیل، یوسف کریم، ماہ نور نصیر، آہانہ زاہد، کومل فاطمہ اللہ بخش ☆ کھوسکی: نعمان مظہر، حسن علی آرائیں، سرفراز احمد ☆ میر پور خاص: عدیل احمد، وقار احمد ☆ بہاول نگر: مریم اسلم، قرۃ العین اسلم ☆ ملتان: احمد عبداللہ، درِ صبیح ☆ بہاول پور: ایمن نور، احمد ارسلان، قرۃ العین عینی، صباحت گل ☆ راولپنڈی: محمد ارسلان ساجد، محمد حذیفہ اسلم، منیب ضیا ☆ جام شورو: حافظ مصعب سعید، حافظ عمر سعید ☆ حیدرآباد: زنیرہ بنت حزب اللہ، سیدہ نسرین فاطمہ، محمد عاشر راحیل ☆ نصیر پور: مبشر حسین خانزادہ ☆ مظفر گڑھ: فاکہہ شیراز خان ☆ خیر پور میرس: سارہ فاطمہ ☆ اٹک: فاطمہ شہباز ☆ سکھر: ثمرہ مہر ☆ مانسہرہ: راؤ اعزاز حنظلہ ☆ تلہ گنگ: عاطف ممتاز ☆ سیالکوٹ: مائرہ آصف ☆ ڈگری: محمد طلحہ مغل ☆ فیصل آباد: محمد اواب کمبوہ ☆ ٹنڈو الہیار: مدحت فاطمہ ☆ اسلام آباد: قراۃ العین قمر ☆ خانیوال: احمد ابراہیم حسن۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ **کراچی:** کاشف ظفر، صدف احمد، مہرین عامر، عالیہ ذوالفقار، علینا اختر ☆ **راولپنڈی:** محمد اسماعیل ☆ **لاہور:** عبدالجبار رومی انصاری، سیدہ سدرہ الیاس، مریم اعجاز ☆ **اسلام آباد:** حفصہ بشیر، علی ظہور ☆ **حیدرآباد:** محمد حسان چوہان، عائشہ ایمن عبداللہ، تسکین نظامانی ☆ **نوشہرو فیروز:** ریان آصف خانزادہ راجپوت ☆ **بہاولنگر:** طوبیٰ جاوید انصاری ☆ **کاموکے:** محمد حسنات حمید۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ **کراچی:** حسن رضا قادری، اسماز یب عباسی، محمد حسام توقیر، صہیب آدھمی، سارہ عبدالواسع، سمیعہ توقیر، حسان عدنان، صدف آسیہ، رضی اللہ خاں ☆ **لاہور:** انشرح خالد بٹ، امتیاز علی ناز ☆ **ڈیرہ اللہ یار:** آصف علی کھوسہ ☆ **حیدرآباد:** صبیحہ محمد عامر قائم خانی ☆ **فیصل آباد:** زینب ناصر ☆ **پنڈ دادن خان:** راجا ثاقب محمود جنجوعہ ☆ **سکھر:** محمد عفان بن سلمان ☆ **جھڈو:** شہزیم راجا ☆ **سرگودھا:** اسامہ خباب علی ☆ **گوجرخان:** محمد شہیر یاسر۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُرامید نونہال

☆ **کراچی:** محمد بلال صدیقی، محمد شیراز انصاری، اریبہ کنول، علیزہ زہرہ، مہوش حسین، محمد شافع، نمیرا مسعود، فائزہ کامل ☆ **راولپنڈی:** الرا جمشید، وجیہہ ہاشمی، رومیسہ زینب چوہان ☆ **اسلام آباد:** عبدالرحمٰن اعوان ☆ **رحیم یار خان:** کنزا سہیل ☆ **کمالیہ:** محمد احمد ☆ **سانگھڑ:** اقصیٰ انصاری ☆ **وہاڑی:** عبدالحنان ☆ **شیخوپورہ:** محمد احسان الحسن ☆ **کرک:** روحین زمان۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُراعتماد نونہال

☆ **کراچی:** سیدہ اسماندیم، زین علی، عبدالوہاب، محمد وسیم، اسامہ راشد، محمد اختر، احمد حسین، احتشام شاہ، طاہر مقصود، محمد فہد الرحمٰن، کامران گل آفریدی، فضل قیوم خان، فضل ودود خان، عمر حیات، محمد اختر حیات خان، طلحہٰ سلطان شمشیر علی، محمد معین الدین غوری، طہورا عدنان ☆ **لسبیلا:** محمد الیاس چنا ☆ **راولپنڈی:** اسامہ ظفر راجا ☆ **تلہ گنگ:** محمد طارق جمیل ☆ **لاہور:** روحان محمود۔

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ مئی ۲۰۱۵ء کے بارے میں ہیں

❁ مئی کے شمارے میں جاگو جگاؤ اور پہلی بات سے فیض یاب ہو کر آگے بڑھے، پھر روشن خیالات نے ہمارے خیالات کو روشن کر دیا۔ مضمون ''خوب کام کرو'' نے ہمیں بڑی اچھی معلومات فراہم کیں۔ ''ہوا سب سے پہلے'' خوب صورت معلومات افزا مضمون تھا، جس سے ہم نے بہت کچھ سیکھا۔ ''درد مند درخت'' دل پر بہت زیادہ اثر کرنے والی کہانی تھی۔ آسیب زدہ فلیٹ، پھولوں کی شہزادی، دشمن خوب صورت سبق آموز کہانیاں تھیں۔ ''شاہین بچہ'' بھی بہت اچھی لگی اور ''چوتھا سیب'' کے کیا کہنے۔ معلومات ہی معلومات، اونٹ - اللہ کی ایک نشانی، انگلیوں کے نشان اور مجرم معلوماتی اور دل کو چھو لینے والے مضمون تھے۔ آمنہ، سعیہ، عائشہ، کراچی۔

❁ جاگو جگاؤ میں شہید حکیم محمد سعید کی بات سے بالکل متفق ہوں کہ عمل کے بغیر خواہش خوشی نہیں، رنج دیتی ہے اور پہلی بات میں اس مہینے کا خیال بہت ہی اچھا لگا۔ انکل! میں دن میں پانچ نئے لفظ تو نہیں سیکھتی، مگر کچھ نہ کچھ ضرور سیکھتی ہوں، لیکن اب ضرور اس پر بھی عمل کروں گی۔ روشن خیالات میں تمام خیالات ہمیشہ کی طرح اچھے لگے۔ نظمیں ''تم پر سلام ہر دم'' (محمد مشتاق حسین قادری) ''دادی اماں کہانی سناؤ'' (شاہد حسین) ''برائی سے بچنا'' (شمس القمر عاکف) ''کہانی لکھو یا نظم لکھو'' (رفیع یوسفی محرم) بہت اچھی لگیں۔ ڈاکٹر سید اسلم کا مضمون ''ہوا سب سے پہلے'' بہت بہت اچھا لگا۔ میں تو ان سے بہت متاثر ہوں۔ بہت ہی معلوماتی تحریریں لکھتے ہیں۔ آپ کی تحریر ''خوب کام کرو'' تو سب سے اچھی تھی۔ آپ تو ہیں ہی میرے آئیڈیل۔ کہانیوں میں آسیب زدہ فلیٹ (انوار آس محمد) پھولوں کی شہزادی (نظارت نصر)، دشمن (جاوید اقبال)، کنجوس جوہری (مہروز اقبال) اور بلاعنوان کہانی سپر ہٹ تھی۔ باقی تمام سلسلے اور تحریریں بھی دل چسپ تھیں۔ مشعل نایاب بنتِ زاہد شاہ، کراچی۔

❁ مئی کا شمارہ پڑھ کر مزہ آیا۔ سب سلسلے عمدہ تھے۔ ہر تحریر اچھی اور دل کو چھو لینے والی تھی۔ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح اچھا رہا۔ روشن خیالات، علم دریچے، بیت بازی، معلومات افزا، ہنسی کلیا، نونہال ادیب، نونہال خبر نامہ، نونہال مصور، تصویر خانہ اور آدھی ملاقات بھی اچھے سلسلے ہیں۔ انکل! کیا میں ایک خط پر کئی نام لکھ سکتی ہوں؟ ناعمہ ناصر بخش، کراچی۔

> ہر نونہال اپنے اپنے انداز سے رسالے کی خوبی یا خامی بتائے تو زیادہ اچھا ہے۔

❁ سرورق نے تو دل خوش کر دیا۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات بہت اہم تھیں۔ لطیفے پڑھ کر تو لوٹ پوٹ ہو گئے۔ بلاعنوان کہانی بہت مزے دار کہانی تھی۔ نظمیں بہترین تھیں۔ حمیرا سید کی تحریر ''شاہین بچہ'' زبردست تھی۔ طہورا عدنان، کراچی۔

❁ مئی کا شمارہ لاجواب تھا۔ کہانیوں میں آسیب زدہ فلیٹ، درد مند درخت، بلاعنوان کہانی، کنجوس جوہری اور دشمن سپر ہٹ تھیں۔ خلیق الرحمٰن، بلوچستان۔

❁ مئی کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ جاگو جگاؤ پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اس مہینے کا خیال تو بہترین تھا۔ ہوا سب

سے پہلے، درد مند درخت، معلومات ہی معلومات، چوتھا سیب، شاہین بچہ، نونہال مصور، اونٹ - اللہ کی ایک نشانی اور "انگلیوں کے نشان اور مجرم" بہت اچھی تحریریں تھیں۔ **محمد حسان رضا خان**، واہ کینٹ۔

❁ مئی کے سرورق کی تصویر زیادہ پسند نہیں آئی اور شمارے میں کسی چیز کی کمی لگ رہی تھی۔ کہانیاں تمام ہی اچھی تھیں، مگر ساری پرانے خیالوں پر مبنی تھیں۔ صرف بلاعنوان کہانی (محمد اقبال شمس) نئے طرز کی تھی۔ میری گزارش ہے کہ نونہال میں آپ کچھ نیا سلسلہ شروع کریں تو مزہ آجائے۔ **کومل فاطمہ اللہ بخش**، کراچی۔

❁ مئی کا شمارہ انتہائی اچھا ہے۔ تمام کہانیاں اپنی الگ حیثیت اور مقام رکھتی ہیں۔ بیت بازی بہترین سلسلہ ہے۔ **عائشہ خالد**، راولپنڈی۔

❁ جاگو جگاؤ، پہلی بات اور روشن خیالات میں بہت ہی خوب صورت باتیں ہوتی ہیں جن کو پڑھ کر دل بھی خوش ہوتا ہے اور معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ **راحم فرخ خان**، لیاقت آباد، کراچی۔

❁ کہانیوں میں پہلے نمبر پر شیر کا خواب، بلاعنوان کہانی اور ننھا سہارا۔ دوسرے نمبر پر فرض شناس، لڑکی پہاڑ اور جن اور پھول نگر جب کہ تیسرے نمبر پر بڑھیا کا انصاف زبردست تھیں۔ علامہ سے وعدہ بھی ایک اچھی تحریر تھی۔ نظموں میں علامہ اقبال اور کتاب سے پیار اچھی لگیں۔ آپ کا مضمون "دو پرانی چیزیں" نہایت اچھا لگا۔ **عرشیہ نوید حسنات احمد**، کراچی۔

❁ تمام کہانیاں زبردست تھیں۔ لڑکی پہاڑ اور جن، بڑھیا کا انصاف اور بلاعنوان کہانی کے تو کیا کہنے۔ ہنسی گھر اور نونہال مصور کا صفحہ اس دفعہ کچھ خاص نہیں لگے۔ **عزیر احمد، حذیفہ احمد، حفصہ نوید**، کراچی۔

❁ مئی کے شمارے کا سرورق اچھا لگا۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات اور روشن خیالات ہمیشہ کی طرح انمول تھے۔ کہانیوں میں پہلے نمبر پر درد مند درخت اور بلاعنوان کہانی۔ دوسرے نمبر پر آسیب زدہ فلیٹ اور شاہین بچہ جب کہ تیسرے نمبر پر دشمن اور پھولوں کی شہزادی، تھیں۔ آپ کا مضمون "خوب کام کرو" اور ڈاکٹر سید اسلم کا مضمون "ہوا سب سے پہلے" بھی اچھا لگا۔ نونہال مصور کا صفحہ لاجواب تھا۔ **عرشیہ نوید حسنات**، کراچی۔

❁ مئی کا شمارہ اچھا لگا۔ تمام کہانیاں زبردست تھیں۔ خاص طور پر دشمن، آسیب زدہ فلیٹ، درد مند درخت اچھی لگی۔ نظموں میں برائی سے بچنا، کہانی لکھو یا لکھو نظم اور تم پر سلام ہر دم اچھی لگیں۔ **حذیفہ احمد، کراچی**۔

❁ اس دفعہ شمارے میں سب کچھ اچھا تھا، سوائے سرورق کی تصویر کے۔ آپ سے گزارش ہے کہ سرورق کی تصویر اچھی لگائیں۔ شمارے میں درد مند درخت ٹاپ پر تھی۔ **محمد شکیب**، بہاول پور۔

❁ مئی کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ سب کہانیاں ہی زبردست تھیں۔ جب تک پورا رسالہ پڑھ کر ختم نہ کرلیں، چین نہیں ملتا۔ انکل! ہم کو رسالہ پڑھتے ہوئے پورا ایک سال ہو گیا ہے، رسالے کا بے چینی سے انتظار رہتا ہے۔ **ثوبیہ رانی محمد رمضان مغل، نواب شاہ**۔

❁ سب سے اچھی اور سب سے پہلی بات بہت، بہت اچھی تھی اور آسیب زدہ فلیٹ (انوار آس محمد) کی کہانی تو بہت ہی زبردست ہے۔ ہنسی گھر میں کیا خوب لطیفے ہیں مزہ آ گیا۔ پھولوں کی شہزادی (نظارت نصر)، دشمن (جاوید اقبال)، کنجوس جوہری (مہروز اقبال)، بلاعنوان کہانی (محمد اقبال شمس) کی کہانی تو بہت کمال تھی۔ روشن خیالات تو بہت عمدہ ہیں۔ **اعراف نعیم الدین انصاری**، کراچی۔

❁ مئی کا شمارہ زبردست تھا۔ کہانیاں اور لطیفے ٹاپ پر

تے۔ پھولوں کی شہزادی، بلاعنوان کہانی، کنجوس جوہری اور شاہین بچہ زبردست کہانیاں تھیں۔ آمنہ رسول، سرگودھا۔

● ہمدرد نونہال اچھا ہے، سب کہانیاں اچھی، خوب صورت اور سبق آموز تھیں۔ انکل! کیا میں تین چار صفحوں کی کہانیاں بھیج سکتی ہوں؟ ویسے تو پورا کا پورا شمارہ اچھا تھا۔ میری لکھائی (خط) کیسی ہے؟ آمنہ فاطمہ، کراچی۔

> پہلے چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھیے۔ جب مشق ہو جائے تو آگے بڑھیے۔ اپنی لکھائی بھی صاف اور اچھی کریں۔

● اس ماہ کے شمارے میں آسیب زدہ فلیٹ، کنجوس جوہری اور بلاعنوان کہانی بہت مزے کی تھی۔ عائشہ شہباز، ملیحہ شہباز، وجیہہ شہباز، جگہ نامعلوم۔

● جب سے ہمدرد نونہال پڑھنا شروع کیا ہے میری اردو کو تو جیسے چار چاند لگ گئے ہیں۔ یا یوں کہیے کہ میں نے اردو کو نونہال کے ذریعے ہی پڑھا اور سمجھا ہے۔ یوں تو نونہال کے سارے سلسلے قابلِ تعریف ہیں۔ تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، لیکن نونہالوں کے دوست اور ہمدرد ''شہید حکیم محمد سعید'' کی یاد رہنے والی باتیں اپنی مثال آپ ہیں۔ ماہ رخ آفتاب عالم قریشی، کراچی۔

● مئی کا شمارہ لاجواب تھا۔ کہانیوں میں کنجوس جوہری سب سے اچھی تھی۔ خوب کام کرو، ہوا سب سے پہلے اور علم دریچے سبق آموز تھے۔ انکل! آپ نونہال تیار کرنے میں بہت محنت کرتے ہیں۔ محمد طلحہٰ مغل، ڈگری۔

● مئی کے شمارے کا سرورق دل کو چھو لینے والا تھا۔ جاگو جگاؤ میں خواہش کے ساتھ محنت کی بھی تلقین کی گئی۔ پہلی بات دل میں گھر کر گئی۔ کہانیوں میں آسیب زدہ فلیٹ، پھولوں کی شہزادی اور کنجوس جوہری معیار کی اعلا بلندیوں پر فائز تھیں۔ بلاعنوان کہانی تجسس سے بھرپور تھی۔ نظموں میں ''تم پر سلام ہر دم'' اور ''برائی سے بچنا'' دل کی گہرائیوں میں اُتر گئیں۔ نونہال ادیب میں صدف رانی کی کہانی ''بڑھیا اور اشرفیاں'' بہت ہی دل چسپ تھی۔ راجا ثاقب محمود جنجوعہ، عائشہ رانی، ناجیہ ثاقب، صفدر ثاقب، ثانیہ فرخ راجا، پنڈ دادن خان۔

● پورا شمارہ عمدہ تھا۔ پڑھ کر مزہ آیا۔ ہر تحریر، ہر کہانی، ہر قول، ہر شعر، ہر خط ہمیشہ کی طرح لاجواب اور دل چسپ تھا۔ زہیر احمد بن ذوالفقار بلوچ، کراچی۔

● جاگو جگاؤ، پہلی بات، خوب کام کرو، اونٹ۔ اللہ کی ایک نشانی، انگلی کے نشان اور مجرم اور آدھی ملاقات نے دل جیت لیے۔ کہانیاں بھی ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ کہانی کنجوس جوہری نے دل موہ لیا، کہانی پھولوں کی شہزادی ٹاپ پر رہی۔ باقی سلسلے تو اے ون ہی ہوتے ہیں۔ آمنہ مسعود، کراچی۔

● کہانیوں میں کنجوس جوہری، بلاعنوان کہانی، پھولوں کی شہزادی پسند آئیں نظموں میں تم پر سلام (مشتاق حسین قادری)، برائی سے بچنا (شمس القمر عاکف)، کہانی لکھو یا لکھو نظم (رفیع یوسفی محرم) اچھی لگیں۔ باقی تحریریں بھی اچھی تھیں۔ دشمن (جاوید اقبال)، دردمند درخت (روبنسن سیموئیل گل) دل کو چھو لینے والی کہانیاں تھیں۔ مضامین میں خوب کام کرو (مسعود احمد برکاتی) معلومات ہی معلومات (غلام حسین میمن)۔ اونٹ۔ اللہ کی ایک نشانی (زاہدہ حمید) اچھے لگے۔ عالیہ ذوالفقار، عافیہ ذوالفقار، کراچی۔

● ہمیشہ کی طرح ہمدرد نونہال مزے دار تحریروں سے

بھرا ہوا تھا۔ ہر کہانی زبردست اور سبق آموز تھی۔ نونہال ہر طرح سے ہمیں اچھا لگتا ہے۔ ہم سب بہن بھائی مل کر اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ درد مند درخت، آسیب زدہ فلیٹ، کنجوس جوہری، بلاعنوان کہانی، پھولوں کی شہزادی کہانیاں پسند آئیں۔ مضامین بھی لاجواب تھے۔ چوتھا سیب مزاحیہ تحریر تھی۔ ''خوب کام کرو'' سے کئی سبق ملے۔ **ناعمہ ذوالفقار، حمنہ ذوالفقار، آسیہ ذوالفقار، کراچی۔**

❁ مئی کا شمارہ بہت ہی اچھا لگا۔ میں آپ کا رسالہ ہر مہینے باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔ **تسکین نظامانی، حیدرآباد۔**

❁ مئی کا شمارہ بہت پسند آیا۔ نظم ''کہانی لکھو یا لکھو نظم'' اپنی مثال آپ تھی۔ پھولوں کی شہزادی پڑھ کر باغبانی کا شوق پیدا ہوا۔ انکل! کہانی کنجوس جوہری (مہروز اقبال) نقل شدہ ہے۔ **حرا سعید شاہ، جوہرآباد۔**

❁ مئی کا شمارہ خوب تھا۔ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ جاگو جگاؤ سے لے کر نونہال لغت تک سب کچھ بہترین تھا۔ کہانیوں میں آسیب زدہ فلیٹ (انوار آس محمد)، دشمن (جاوید اقبال)، کنجوس جوہری (مہروز اقبال) غرض سب کہانیاں بہترین تھیں۔ روشن خیالات پڑھ کر بھی بہت اچھا لگا۔ **زینب شاہ، فہد شاہ، مانسہرہ۔**

❁ مئی کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ کہانیوں میں کنجوس جوہری، آسیب زدہ فلیٹ اور پھولوں کی شہزادی اچھی لگیں۔ مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات بہت اچھی لگتی ہے۔ ہنسی گھر کے لطیفے بہت مزاحیہ تھے۔ ساری نظمیں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ روشن خیالات سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ **سیف اللہ کھوسو، کشمور۔**

❁ ماہ مئی کے شمارے کا سرورق دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ اس مہینے کا خیال رہنمائی کا بہترین ذریعہ ہے۔ جاگو جگاؤ نے ہمارے ذہن کو روشن کر دیا۔ بلاعنوان کہانی نے رسالے کو چار چاند لگا دیے۔ آسیب زدہ فلیٹ، کنجوس جوہری اور پھولوں کی شہزادی سپر ہٹ کہانیاں تھیں۔ خوب کام کرو، کافی مفید تحریر تھی۔ **سیدہ اریبہ بتول، کراچی۔**

❁ تحریروں میں خوب کام کرو، پھولوں کی شہزادی، درد مند درخت، اونٹ- اللہ کی ایک نشانی اور بلاعنوان کہانی بہت زیادہ پسند آئیں۔ باقی تحریریں بھی سبق آموز تھیں۔ خاص کر انگلیوں کے نشان اور مجرم بہت اچھی لگی، کیوں کہ یہ ایک معلوماتی تحریر تھی۔ باقی شمارہ اپنے معیار کے مطابق تھا۔ **عبدالجبار رومی انصاری، لاہور۔**

❁ ہمدرد نونہال کا ہر شمارہ لاجواب ہوتا ہے۔ سب سے پہلے جاگو جگاؤ پڑھا اور حکیم صاحب کی ہر بات یاد رہنے والی ہوتی ہے۔ روشن خیالات بہت اچھے تھے۔ ان سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ کہانیوں میں درد مند درخت نے اچھا سبق دیا ہے۔ اس کے علاوہ آسیب زدہ فلیٹ، پھولوں کی شہزادی، شاہین بچہ، دشمن، کنجوس جوہری بہت اچھی تھیں۔ **تحریم فاطمہ، حسان علیم، عبدالحنان، انعام الرحیم، ملتان۔**

❁ مئی کا شمارہ دل کو باغ باغ کر دینے والا تھا۔ اس بار بلاعنوان کہانی اس سال کی دیگر تمام بلاعنوان کہانیوں سے زبردست تھی۔ لطیفے بھی اس بار نئے تھے۔ آپ کی ''پہلی بات'' نے دل کو چھو لیا۔ **زین علی، کراچی۔**

❁ ہر شمارہ آپ لوگوں کی انتھک محنت کی وجہ سے ہمیشہ امید سے بڑھ کر ہوتا ہے اور ہر دفعہ کچھ نیا سیکھنے کو ملتا ہے۔ مئی کے شمارے سے بھی بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ تمام ہی تحریریں زبردست تھیں۔ **سیدہ وجیہ ناز۔ کراچی۔**

☆☆☆

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال مئی ۲۰۱۵ء میں جناب محمد اقبال شمس کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کرنے کے بعد ایک عنوان ''مبارک اغوا'' کو بہترین قرار دیا، جو مختلف جگہوں سے درجِ ذیل تین نونہالوں نے بھیجا ہے:

۱۔ عائشہ لیاس، کراچی

۲۔ حافظ عمر سعید، جامشورو

۳۔ مریم اعجاز، لاہور

چند اور اچھے اچھے عنوانات

انوکھا ملاپ۔ حادثاتی ملاقات۔ حسین اتفاق۔ پھر بہار آئی۔ قسمت اپنی اپنی۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ بچھڑے ہوئے بھائی۔ ہم شکل۔ انوکھا ملن۔ عجیب اتفاق۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: ہانیہ شفیق، طیبہ اکبر، طہورا عدنان، مشعل نایاب، عبدالرحمٰن فرید، رمیشہ زینب عمران حسین، بسمہ فاطمہ، حسن رضا قادری، مریم رحیم، عائشہ الیاس، سیدہ مبشرہ نقوی، بہادر شاہ ظفر، محمد معین الدین غوری، احسن محمد اشرف، محمد محسن محمد اشرف، طلحہٰ سلطان شمشیر علی، فضل ودود خان، فضل قیوم خان، کامران گل آفریدی، محمد عثمان خان، محمد فہد الرحمٰن، بلال خان، طاہر مسعود، احتشام شاہ فیصل،

محمد اختر حیات، احمد رضا، احمد حسین، صفی اللہ، محمد جلال الدین اسد، عمر حیات، محمد اختر حیات، راحم فرح خان، حوریہ سلیم، شاہ بشرہ عالم، بانیہ ظہیر، کومل فاطمہ اللہ بخش، محمد حمزہ، راحم فرح خان، لبابہ فرید اسلم، عرشیہ نوید حسنات احمد، مسکان ملائکہ، رضی اللہ خاں، سندس آسیہ، رابعہ خالد لاکھانی، اعظم مسعود، محمد اختر، اعراف نعیم الدین انصاری، ثمرہ زاہد، محمد شیراز انصاری، بادیہ عدنان، خضریٰ بتول، آمنہ سعید، صالحہ کریم، ماہ رخ آفتاب عالم قریشی، ماہ رخ نصیر، علینا اختر، ناعمہ تحریم، محمد احمد رضا خان، ماہم عبدالصمد سمول، عبدالودود، رقیہ محمود قریشی، شازیہ انصاری، دانیال یوسف، سمیعہ توقیر، عافیہ ذوالفقار، سید محمد سعد سلمان، ماہم سلیم، علیزہ سہیل، محمد شافع، حذیفہ مفیض، مہرین عامر، محمد وسیم، عبدالوہاب، عائشہ عبدالواسع، سیدہ جویریہ جاوید، سید صفوان علی جاوید، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، سید شہظل علی اظہر، سید باذل علی اظہر، سیدہ اریبہ بتول، مہوش حسین، اسما زینب عباسی، صدف احمد، علیزہ زہرہ، زین علی، انعم صابر، ثمن عائشہ، سیدہ وجیہہ ناز، سیدہ اسماء ندیم، فاکہہ عباسی، صدف آسیہ، آسیہ جاوید احمد شیخ ☆ **بہاول پور:** احمد ارسلان، ایمن نور، قرۃ العین عینی، صباحت گل، محمد شکیب مسرت ☆ **راولپنڈی:** عائشہ جمشید، علی حسن، اسما ظفر راجا، شرجیل ضیا، محمد حسان رضا خان، رومیسہ زینب چوہان ☆ **سکھر:** محمد عفان بن سلمان، فلزا مہر، بشریٰ محمد محمود شیخ ☆ **بھکر:** ملک محمد ارسلان اسلم، محمد مجیر ☆ **اسلام آباد:** حفصہ بشیر، محمد حمزہ ذاکر، عنیزہ ہارون ☆ **بہاول نگر:** طوبیٰ جاوید انصاری، مریم اسلم، قرآۃ العین اسلم ☆ **فیصل آباد:** زینب ناصر ☆ **ساہیوال:**

اصغیٰ بتول، محمد جنید بہزاد ☆ **پشاور:** مس ہانیہ شہزاد، محمد حیان، محمد اسمر عرفان ☆ **چکوال:** احمد علی، عاقب جنید، عاطف ممتاز ☆ **ملتان:** تحریم فاطمہ، حسیب الرحمٰن قریشی، ایمن فاطمہ ☆ **نواب شاہ:** ثوبیہ رانی محمد رمضان مغل، نوال رند، محمد سلیم سعید خانزادہ ☆ **جامشورو:** حافظ مصعب سعید، حافظ عمر سعید ☆ **میر پور خاص:** محمد طاہر امان اللہ میمن، مریم کھٹیان، بلال احمد، فیروز احمد، دیپا کھتری اوم پرکاش، توقیر، زفرا مصطفیٰ رگل، فیضان احمد خان ☆ **کوٹلی:** زرفشاں بابر ☆ **کشمور:** سیف اللہ کھوسو ☆ **خوشاب:** حافظ رانا محمد الیاس عاجز، محمد قمر الزماں ☆ **سیالکوٹ:** مائرہ آصف ☆ **لاہور:** یحییٰ ہارون، عبدالجبار رومی انصاری، مریم اعجاز، منیحہ عدن، انشرح خالد بٹ، سمیہ ناصر، سیدہ سدرہ الیاس، روحانہ احمد، امتیاز علی ناز، محمد امیر حمزہ ☆ **حیدر آباد:** تسکین نظامی، حرا حسین، صبا سعید، آفاق اللہ خان، صبیحہ محمد عامر قائم خانی، حیان کاشف، ماہ رخ، عائشہ ایمن عبداللہ، مقدس بنت جبار، میمونہ بنت حزب اللہ بلوچ، سعید احمد راجپوت ☆ **مانسہرہ:** راؤ اعزاز حنظلہ، فہد شاہ ☆ **کمالیہ:** محمد احمد ☆ **ٹنڈوالہیار:** فضا مریم ☆ **سانگھڑ:** علیزہ ناز منصوری ☆ **رحیم یار خان:** کنزا سہیل ☆ **تلہ گنگ:** طلحہٰ خباب علی ☆ **ایبٹ آباد:** ماریہ افضل ☆ **ڈگری:** محمد طلحہٰ مغل ☆ **وہاڑی:** عائشہ شہباز ☆ **تھاروشاہ:** ابوسفیان آصف خانزادہ راجپوت ☆ **شیخوپورہ:** محمد احسان الحسن ☆ **ڈیرہ غازی خان:** فرح سراج ☆ **ڈیرہ اسماعیل خان:** آریان احمد شاہ ☆ **اٹک:** اریبہ علی ☆ **ڈیرہ اللہ یار:** ساحل سرور بمبل ☆ **کوٹ ادو:** فاکہہ شیراز خان ☆ **پنڈ دادن خان:** عائشہ رانی۔

نونہال لغت

لفظ	تلفظ	معنی
دِیپ	دِ ئ پ	دیا۔ چراغ۔ لالٹین۔ لیمپ۔
مَرقد	مَ رْ قَ د	سونے کی جگہ۔ آرام گاہ۔ خواب گاہ۔ قبر۔ گور۔ مزار۔
مُرسل	مُ رْ سَ ل	ارسال کیا گیا۔ بھیجا ہوا۔ رسول۔ پیغمبر۔
نگر	نَ گَ ر	شہر۔ قصبہ۔ بلد۔
آنسہ	آ نِ سَہ	کنواری لڑکی۔ دوشیزہ۔ محبت کرنے والی۔ (انگریزی: MISS)
اَجیرن	اَ جِی رَ ن	دشوار۔ دوبھر۔ وبال جان۔ جان لیوا۔ تکلیف دہ۔
ڈَگر	ڈَ گَ ر	راستہ۔ سڑک۔ شارع عام۔
اَذیت	اَ ذِ ئ یَ ت	تکلیف۔ دکھ۔ مصیبت۔
نَوعیت	نَ وْ عِ ئ یَ ت	قسم۔ خصوصیت۔
خَصلت	خَ صْ لَ ت	عادت۔ خُو۔ مزاج۔ طبیعت۔ سیرت۔
مُرتّب	مُ رَتْ تَ ب	ترتیب دیا ہوا۔ قرینے سے لگایا گیا۔ تالیف کیا گیا۔
آسرا	آ سْ رَ ا	بھروسا۔ سہارا۔ وسیلہ۔ اعتبار۔
مُطرب	مُ طْ رِ ب	خوش کرنے والا۔ گویا۔ قوال۔ گانے والا۔
تَرغیب	تَ رْ غِی ب	رغبت دلانا۔ لالچ دلانا۔ شوق۔ خواہش۔
یارا	یا رَ ا	قوت۔ توانائی۔ حوصلہ۔ ہمت۔
وَاویلا	وَ ا وے لَا	ماتم۔ رونا پیٹنا۔ دُہائی۔ فریاد۔
اُجاگر	اُ جا گَ ر	روشن۔ منور۔ نمایاں۔ ظاہر۔ واضح۔